دیوانِ فیضی فیّاضی

ملک دین محمد تاجر کتب
کشمیری بازار لاہور

ملک دین محمد نے بہ اہتمام خود لیتھو دین محمدی الیکٹرک پریس میں طبع کرا کر
کتب خانہ دین محمدی ہسپتال روڈ۔ لاہور سے شائع کیا

ان من الشعر لحکمۃ و ان من البیان لسحرا

دیوانِ فیضی فیّاضی

ملک الشعرائے دربارِ اکبری کا کلام بلاغت نظام

جسے

ایک پرانے قلمی نسخے سے بعدِ تصحیح

خاکسار فیروز الدّین اینڈ سنز پبلشرز لاہور نے

افادۂ شائقینِ سخن کے لئے

کاشی رام پریس (سابق نولکشور) میں باہتمام بابو کاشی رام صاحب چھپوایا

حق بحقدار

خاکسار پبلشر ملک الشعرائے دربارِ اکبری کے اس کلام بلاغت نظام کو اپنے دلی کرمفرما اور مخلص بے ریا سرشارِ شعر و سخن نقادِ علم و فن منشی سراج الدین احمد صاحب المخاطب بہ "خانصاحب" میر منشی ریزیڈنسی کشمیر کے نام نامی پر نذر کرتا ہے۔ جو ایشیائی نظم و نثر کے رموز و غوامض سمجھنے کا ایک خاص مذاق اور وجدان سلیم رکھتے ہیں۔

خاکسار پبلشر

ابوالفیض فیضیؔ فیاضی

شیخ فیضی کا اصلی نام ابوالفیض تھا۔ سنہ ۹۵۴ ہجری کی پیدائش تھے۔ شہر آگرہ میں چارباغ کے قریب رہتے تھے۔ شیخ مبارک اللہ عرف شیخ مبارک کے فرزند اکبر ہیں جو علمائے اکبری میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ زمانہ ابتدائی میں فیضی تخلص کرتے تھے۔ دربار اکبری میں رسائی ہوئی۔ اور چھوٹے بھائی ابتدائی مدارج طے کرنے کے بعد وزیر اکبر شاہی ہو کے علامی مشہور ہوئے۔ تو انہوں نے بھی فیضی فیاضی تخلص اختیار کیا۔

انہوں نے مروجہ علوم عقلی و نقلی کا سرمایہ باپ سے پایا تھا مگر فن شعر میں تو وہ کمال دکھایا۔ کہ بڑے بڑے استادان لوہا مان گئے۔ باپ اگرچہ شاعر نہ تھا لیکن ہمہ دان فاضل ضرور تھا ہمیشہ بیٹے کے کلام کو فصاحت و بلاغت کی سان پر لگاتا اور رموز سخن کے سرچشمے بہاتا رہتا تھا۔

شیخ فیضی ابھی تک کلی کی مانند تھے۔ دنیاوی صدموں سے نجات ہی نہ پاتے کہ کچھ کھلتے۔ قسام ازل نے خود ہی شاخ طبع کے پھولوں کی مہک سے آلہٰی عالم میں پھیلا کر دربار تک پہنچا دیا۔ اکبر تو ایسے گل رعنا پر قدرتی شیدا تھا۔ نسیم سخن پر عندلیب مست کی طرح چہچہایا۔ اور فوراً طلبی کا حکم بھیج دیا۔ مگر حاسدوں نے حسن طلب کو طلبی عتاب کے پیرایہ میں ظاہر کیا اور حاکم آگرہ کے نام لکھ بھیجا۔ کہ فوراً گرفتار کر کے بھیج دو۔ کچھ بات گئی تھی۔ کہ چند ترکوں نے آکر شیخ مبارک کا گھر گھیر لیا۔ دشمنوں نے پکار رکھا تھا۔ کہ شیخ بیٹے کو چھپائیگا۔ اور ڈرا کے دھمکا کے بھی ہرگز نہ بھیجیگا۔ اس پر اتفاقاً فیضی بھی اس وقت کہیں گشت میں مصروف تھا۔ سپاہیوں نے شیخ مبارک سے جو پوچھا۔ تو انہوں نے کہا کہ شاید کہیں گشت کو گیا ہے گھر میں نہیں ہیں۔ یہ سنتے ہی اجڈ بے عقل سپاہی ڈرانے دھمکانے لگے۔ آخر اسی حیص بیص میں فیضی بھی آن پہنچے۔ اور راتوں رات روانہ دربار ہو گئے۔ لیکن گھر بھر کے لوگ حیرت میں غرق ہو رہے تھے۔ کہ دیکھئے تقدیر کیا رنگ لائے۔ باپ کئی دن بعد خبردار خبر لائے کہ شاہ عالم پناہ نے عنایت بے غایت سے سرفراز فرمایا ہے خوف و خطر کا کوئی مقام نہیں۔ فیضی خسرو آفاق کے حضور حاضر ہوئے۔ تو بارگاہ سلطانی کے گرداگرد چاندی کا کٹہرا تھا۔ یہ باہر کھڑے رہ گئے۔ تو یہ قطعہ پڑھا ؎

بادشاہا در برون کٹہرہ ام — از سر لطفت تو دور افتادہ ام
زانکہ من طوطی شکر خایم — جائے طوطی در درون پنجرہ بہ

اکبر اس حاضر طبعی سے کمال مسرور ہوا اور کٹہرے کے پاس آنے کی اجازت دی فیضی نے قصیدہ اول جو دربار میں پڑھا۔ اس کا مطلع یہ ہے ؎

سحر نوید رسان قاصد سلیمانی — رسید مژدہ سعادت کشادہ پیشانی

تین کم دو سو شعر تھے۔ اور ہر شعر گویا فلسفہ حکمت سے معمور و کمال شاعری سے بھرپور تھا۔ بادشاہی سواروں کا طلبی کے لئے آنا اور گھر بھر کا اضطراب و پریشانی دکھانا بھی چند اشعار میں عجیب رنگ میں لکھا ہے ؎

ازاں زماں چہ نویسم کہ بود بے آرام | سفینۂ دل ما از موج خیز طوفانی
گہے چو دود ہم سراسیمہ گاہ گرد دلیل | برہم ظنون و شکوک از علوم ایقانی
زبان کشیدہ بدار القضا تعجب ریا | شہود کذب بہ دعوئے گران ایمانی
اگر حقیقت اسلام در جہاں این است | ہزار خندۂ کفر است بر مسلمانی

مختصر یہ کہ یہ شاعر بلند خیال اور عالم بے مثال اقبال عدو مال کی بدولت تھوڑے ہی عرصہ میں شاعری سے درجۂ مصاحبت تک پہنچ گیا۔ اور مصاحبت بھی ایسا کہ عالم پناہ کو کسی عالم میں جدائی پسند نہ آتی۔ اور تمام مہمات سلطنت میں اس کی شرکت لازم سمجھی جاتی ؎

اس سے پہلے دفتر شاہی کہیں ہندی اور کہیں فارسی میں تھا۔ کہیں مہاجنی بھی کھاتہ کا دستور تھا۔ اکبر کے حکم سے ٹوڈرمل۔ شیخ فیضی۔ میر فتح اللہ شیرازی۔ نظام الدین بخشی۔ حکیم ابوالفتح۔ حکیم ہمام مشورت کے لئے بیٹھے۔ مال۔ دیوانی۔ فوجداری وغیرہ وغیرہ کے سررشتے الگ الگ کئے گئے۔ تعینات دفتر کے لئے قواعد و ضوابط مقرر ہو گئے کہ سب لوگ ایک ہی طور پر عملدرآمد کیا کریں۔ اور تحریروں میں اختلافات نہ ہو سکے ؎

سنہ ۹۹۰ھ میں آگرہ۔ کالپی۔ کالنجر کی تحقیقات معافی کے لئے صدر الصدور کی مسند اعلیٰ پر متمکن ہوئے ؎

شاہزادگان والا تبار کا فخر استادی بھی اسی استاد کامل کو حاصل تھا۔ جو شاہزادہ پڑھنے کے قابل ہوتا پہلے فیضی کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کرتا۔ اور یہ بھی ان کی تعلیم و تربیت اور غور و پرداخت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے۔ چنانچہ سلیم۔ مراد۔ دانیال سب ان ہی کے طفل مکتب تھے ؎

سنہ ۹۹۹ھ میں ملک الشعرائی کے خطاب سے ممتاز کئے گئے۔ کہ سلاطین چغتائیہ میں سب سے اول غزالی شہیدی کو اور پھر شیخ فیضی کو ملا۔ عرفی ایرانی ہونے پر یہ رتبہ حاصل نہ کر سکا۔ اسی بنا پر دونوں میں دشمنی رہی۔ نوک جھونک ہونے لگی جیسے ذوق و غالب میں تھی۔ اکبرنامہ میں شیخ ابوالفضل لکھتے ہیں کہ خطاب ملنے سے دو تین دن پہلے شگفتگی طبع نے ایک قصیدہ کے اشعار میں رنگ دکھایا تھا ؎

آں روز کہ فیض عام کردند | ما را ملک الکلام کردند
ما را بہ تمام در ربودند | تا کار سخن تمام کردند
از بہر صعود فکرت ما | آرایش سقف بام کردند

خوش قسمتی سے جس طرح فیضی بادشاہ کے ظاہر و باطن خیر اندیش تھے۔ ویسے ہی اکبر بھی انہیں دل سے چاہتا تھا۔ اور شیخ جیو (شیخ جی) کے خطاب سے مخاطب کیا کرتا تھا۔ ایک دن سر دربار فیضی کو چھیڑ تمالیش کی۔ یہ قصیدہ میں کھڑے لکھنے لگے۔ اکبر چپ چاپ ان کی طرف کن انکھیوں سے دیکھتا جاتا تھا۔ بیربر جو بہت منہ لگے تھے کچھ بات کرنے لگے۔ تو اکبر نے فوراً ٹوک کر کہا "حرف مزن شیخ جیو چیزے می نویسد"۔ یہ موقع و محل کو کبھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے ؎

اکبر احمد آباد گجرات کی یلغار میں مار کے پھرا۔ تمام فوج پیچھے پیچھے تھی۔ وہیں کی وردی اور وہیں کے ہتھیار۔ اکبر خود سپہ سالار تھا۔ دکنی برچھی کاندھے پر رکھے آگے آگے چلا آتا تھا۔ شیخوپور

کے قریب امراء، وزراء استقبال کو حاضر ہوئے۔ فیضی نے بڑھ کر غزل سنائی۔ مطلع یہ تھا ؎

نسیمِ خوش دلی از فتح پور مے آید ۔ کہ بادشاہِ من از راہِ دُور مے آید

بادشاہ گلگشتِ کشمیر کو پہنچے۔ موسمِ بہار سے دل مسرور تھا۔ کہ فیضی کی شگفتگیٔ طبع نے ایک قصیدہ لکھ کر اور محظوظ کر دیا۔ مطلع ہے ؎

ہزار قافلۂ شوق میکند شب گیر ۔ کہ بارِ عیش کشاید بخطۂ کشمیر

ابو الفضل لکھتے ہیں۔ کہ فارسی کا کل کلام نظم پچاس ہزار بیت اندازے میں آیا ہے تصنیفات میں دیوان خود مرتب کیا جس کا ایک قلمی نسخہ یہ ہے۔ جو تصحیح کے بعد نذرِ ناظرین ہے۔ غالباً اہلِ ذوق و شوق کافی حظ اٹھائینگے۔ اور اس تلاش و تجسّس اور محنت و کاوش تصحیح کی داد دینگے۔ غزلیں سب کی سب سلیس اور شستہ زبان میں ہیں۔ استعاروں سے بچ کر لطفِ زبان کا خیال بہت کچھ ملحوظ رکھا ہے۔ ہر شعر حکمت۔ فلسفہ اور نفس شناسی و خدادانی میں عجیب بلند پروازی دکھاتا ہے۔ کہیں کہیں عربی کا ایک آدھ مصرعہ لگا کر بھی لطف کو دوبالا کر دیا ہے

اس کے بعد خمسہ نظامی پر بھی خمسہ لکھا۔ چار مہینے میں "نل دمن" سنسکرت سے فارسی میں لکھی۔ چار ہزار دو سو شعر سے کچھ زیادہ ہیں۔ پانچ اشرفیاں رکھ کر نذر گذرانی۔ پسند شاہ ہونے پہ خوشنویسوں کو لکھنے اور مصوروں کو تصویریں بنانے کا حکم ملا۔ نقیب خاں جو رات کو کتابیں سنایا کرتے تھے۔ اُن میں یہ بھی داخل ہوئی۔ مطلع کتاب کا یہ ہے ؎

اے در تگ و پوئے تو ز آغاز ۔ عنقائے نظر بلند پرواز

کہتے ہیں فیضی نے طاؤس لکھا تھا۔ عرفی کی اصلاح سے عنقا کر دیا۔ کہ طاؤس اُڑ نہیں سکتا اسی میں پونے دو سو شعر کی ایک نعت بھی عجیب نزاکت و لطافت اور بلند پروازی کے ساتھ لکھی ہے۔ نعت کا مطلع ہی کیسا لاجواب ہے ؎

آں مرکزِ دورِ ہفت جدول ۔ گردابِ پسین و موجِ اوّل

"مرکزِ ادوار" عالمِ بیماری میں لکھی تھی سنہ [illegible]ھ میں شیخ ابو الفضل نے مرتب کی۔ مضمون مضمون کے شعر الگ الگ لکھے۔ اور ترتیب دیکر داستان داستان سُرخی کے نیچے لکھی۔ لیلاوتی حساب کی کتاب سنسکرت سے فارسی میں تیار کی۔ بادشاہ کی فرمایش پر مہابھارت کے ترجمۂ نثر کی درستی اور اس کے ساتھ نظم کے موتی پرونے پر متوجہ ہوئے۔ مگر صرف دو پرب ہی درست ہوئے باقی ناتمام رہی۔ "انشائے فیضی" نور الدین محمد عبد اللہ خلف حکیم عین الملک نے سنہ ۱۰۲۵ھ میں ترتیب دیکر "لطیفۂ فیاضی" نام رکھا۔ اس میں رقعات اور عرضیاں ہیں۔ کہ رموزِ سلطنت اور بڑے بڑے نکات پر مشتمل تھیں ؎

"تفسیر سواطع الالہام" ۷۵ جزو کی کتاب ہے۔ تمام بے نقط سنہ [illegible]ھ میں لکھی ہے جس میں اپنا۔ باپ کا۔ بھائیوں کا اور تحصیلِ علم کا حال ہے۔ بادشاہ کی تعریف اور قصیدہ لکھا ہے۔ آخر میں ۹۹ فقرات کا تتمہ ہے۔ کہ ادائے مطلب کے ساتھ ہر فقرہ تاریخ اختتام ہے۔ اس پر بہت سے فضلائے عصر نے تقریظیں لکھیں۔ "موارد الکلم" میں پند و نصائح کے چھوٹے چھوٹے فقرات ہیں جن میں انمول موتی پروئے ہیں یہ بھی بے نقط ہے۔ "موارد الکلم سلک درر الحکم" تاریخی نام رکھا۔ بعض کتابوں میں ان کی تصانیف کی تعداد ایک سو ایک لکھی ہے جن میں سے اکثر بالکل ہی گمنام اور بے نام و نشان ہیں ؎

کلام دیکھو تو سراپا تصوف سے لبریز ہے۔ اور روحانیت کے خاص زیور سے مرصع تھے۔ اخلاق و عادات میں شگفتہ مزاج۔ مہمان نوازی و سخاوت میں اسم بامسمیٰ فیضی فیاضی۔ علماء شعراء اور اکثر اہل کمال اگر آتے تو ان ہی کے ہاں اترتے تھے۔ عرفی بھی آئے۔ تو ان ہی کے مہمان ہوئے ۱۰۰۳ھ کے اخیر میں ضیق النفس (دمہ) نے دم میں دم کر رکھا تھا چار ماہ پیشتر یہ رباعی زبان سے نکلی

دیدی کہ فلک بمن چہ نیرنگی کرد — مرغ دلم از قفس بد آہنگی کرد

آں سینہ کہ عالمے درو مے گنجید — تا نیم نفس بر آوردم تنگی کرد

غرضیکہ کئی امراض نے یکلخت آن گھیرا۔ دو دن بالکل چپ رہے۔ خسروِ آفاق خود عیادت کو آئے۔ پکارا تو آنکھ کھول کر آداب بجا لائے۔ مگر منہ سے کچھ کہہ نہ سکے۔ بادشاہ آہ سرد بھر کر آنسو پیتے چلے گئے۔ آخر کار صفر ۱۰۰۴ھ کو یہ آفتاب علم و فضل یا ماہتاب سخن نہاں خانۂ خاک میں روپوش ہو گیا۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے — اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

ملا عبدالقادر بدایونی نے ان کے مذہب کے خوب پرخچے اڑائے ہیں۔ مگر مذہب کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ وہی عالم الغیب سب کے نہاں و آشکارا کا دانا ہے

محتسب را درونِ خانہ چہ کار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱
بگشای پرده چشم حقیقت نمای را — خود را شناس تا بشناسی خدای را
لب ترکن از چشمهٔ درد اندرین کتاب — در کاوش آر همت دریا گشای را
گرد فنا شدند حریفان بزم عشق — بر خاک ریز جرعهٔ مرد آزمای را
مژگان به بند چون قدم از دیده میکنی — مردان ره برهنه نهادند پای را

مجلس ز بانگ پرده درایان فسرده شد
فیضی ببست کن قلم سرمه سای را

۲
مستانه سخن میرسد از دل بلب ما — عشق است که بربسته زبان ادب ما
با شمع نسوزیم و بمهتاب نسازیم — خورشید بود انجمن افروز شب ما
فریاد که دوریم ز مطلوب دل خویش — چندان که دراز است زبان طلب ما

مارا همه خوانند درین میکده فیضی
از مبدأ فیاض همین بس لقب ما

۳
خسرویم و دل گلگون عالم گیر ما — گوهر انفاس پیش گنج باد آورد ما
به همه سوز دل ما خاکساران نقش بست — آفتاب عشق کے مانند نهال درد ما
ورد ما ذکریم با درد محبت کرده خو — نیست بیدردان عالم را خبر از درد ما
نیست با آسودگان دهر مارا نسبتی — خضر و آب زندگی کافی بود در خورد ما
نازپرورده نه ایم ای مردم عالم بیخبر — نیستی آگه ز اشک گرم و آه سرد ما

شد دل ما فیضی زدستی که میلنگشد
خانمان عقل پرواز جنون پرورد ما

۴
مطرب بلند ساز کن امشب ترانه را — دز شعر من تمام غزل عاشقانه را
لیک کام دل بیا که بعد حسرت دراز — فرصت وداع میکند امشب بهانه را
گلگل شگفته زی وهای شگفتگی — در گل گرفته ... دیوانه خانه را

فیضی تو خامشی و حریفان در انتظار
تا آتش نهفته برآرد زمانه را

۵
دور جهان تمام شد وعده هنوز همچنان
وه چه دراز کرده سلسله هنوز را
بار گلیست شبنم ریخته بخشش آرزو
وای اگر خبر شود پرده دران سوز را

فیضی اگر ز نظم خود صیت بلند برکشی
مشعل قدسیان کنی معنی دل فروز را

٦
سر پیوند با عشاق نبود کجکلاهان را
نزیبد صید بر فتراک عشق بادشاهان را
ازین قوم بهشتی رو کرا یارای پرسیدن؟
اگر در حشر میریزند خون بی گناهان را
مسلمانان دل و دینم بدنبال بتان گم شد
مگر لطف خدا آرد بره گم کرده راهان را
اگر بیگانگی است فتنه جو از خلق تنهائش
که در روز قیامت پیش باشند گواهان را

بتان هند نور چشم عشاق اند از ان فیضی
بجای مردمک در دیده جا کرد این سیاهان

۷
ساقی بده آن دشمن هوش و خرد ما
تا بود ز ازل عشق و جنون نامزد ما
ما سر بسر از خلق رضائیم که بارے
گر نیک نگویند نگویند بد ما
رسوائی و دیوانگی و شور و ملامت
در مملکت عشق بود چار حد ما
ما را مگر زیر زمین خفته که پنهان
راهی سوی فردوس رود از لحد ما

ما خود به نبرد کیم درین معرکه فیضی
وقتست که همت برساند مدد ما

۸
شب عید است ساقی چرخ ده جام هلالی را
صلای باده زن گردی گشایان لاابالی را
تفاوتها است در مستان نگه کن باده کم ده
ببین که از حد برد بی اعتدالی را
تعالی الله چه عید است این که در دوران عیشم
دلی از شوق محرومم و سری از ذوق خالی را
بتان در جلوه نازند تا دم بر خداوندی
کرشمه بخشند رعنایان چنین نازک نهالی را

خوشا اقبال سرمستان دریا دل اگر چون فیضی

ز بزمِ اکبری دارند فیض لایزالی را

ای همنفسانِ محفلِ ما	۹	رفتید ولی نه از دلِ ما
مادست ز غم نهاده بر سر		غم پای فشرده در گلِ ما
دریای غمیم و گوهر اشک		کشتی کشتی به ساحلِ ما
زود است که آرزوی پیداست		محمل کشِ سیر منزلِ ما

بگذار گره بکارِ فیضی
ای عقده کشای مشکلِ ما

پیر رهِ عشقیم و جنون مرحلهٔ ما	۱۰	مجنونِ بلاکش بود از سلسلهٔ ما
ای کعبه روان همه سوی ما بگذارید		کامشب به حرم پیش رود قافلهٔ ما
گفتیم غمِ عشق بهر کس که نشستیم		فریاد ز دستِ دلِ بی حوصلهٔ ما

دیوانهٔ عشقیم درین بادیه فیضی
کز هفت فلک میگذرد غلغلهٔ ما

سحر به بتکده مقبول شد عبادتِ ما	۱۱	دمید صبحِ سعادت زهی سعادتِ ما
مریدِ پیرِ مغانیم در طریقتِ عشق		بما درست بود نسبتِ ارادتِ ما
شهیدِ خنجرِ عشقیم و شاهدانِ جهان		بروزِ حشر گواهند بر شهادتِ ما
چنین که بی لبِ جانبخش یار بیماریم		روا بود که مسیحا کند عیادتِ ما

بغیرِ عشق نخواهیم یافتن فیضی
که این ز روزِ ازل آمده است عادتِ ما

حریفِ باده کجا عاشقِ خراب کجا	۱۲	جنونِ عشق کجا الفتِ شراب کجا
رسید یار و من افتاده ناتوان بیدل		طپیدنِ تو کجا رفت و اضطراب کجا
شب از فراقِ تو خوابم برد خیال است این		شبِ فراق کجا و خیالِ خواب کجا
بدورِ عشقِ تو [illegible]		که دل کجا شد و طاقت کجا و تاب کجا
نشست عقده هم و در گرفت آتش آه		فروغِ شمع کجا خانهٔ حباب کجا

مجوے گرمی عشق از دم فسردہ دلاں		سبوئے بادہ کجا شیشۂ گلاب کجا

طمع مدار ز حاسد فراغ دل فیضی
سفال تیرہ کجا جام آفتاب کجا

غالِ منا کشتۂ آں نرگسِ مستانہ را		کس نمیند ازدہ پیش مرغ بسمل دانہ را
گر شبے خواہد دلم روشن چراغ آرزو	۱۳	بر کشم آہے و آتش در کشم کاشانہ را
از بجو و بہشت جدا ازم سوئے محراب رُو		منکر از یاب شناسا دانم کعبہ و بتخانہ را

ساقیا مستی فیضی ز جام دیگر ست
ناز کمتر کن کہ نے شستہ ام پیمانہ را

زخم بالائے و بہرہ است اورا	۱۴	چشمش از خیمہ رسیدہ است اورا
بچکد خوں ز تیغ مژگانش		کس بایں رنگ دیدہ است اورا
نیست آں قطرہ قطرۂ خوں ہر شب		مے خونابی چکیدہ است اورا

حالِ فیضی بہ بیں کہ ابروئیست
تیغ در دل خلیدہ است اورا

در بادیۂ عشق مزن گام تمنا		عاشق نبود آنکہ برد نام تمنا
کو آنکہ بہ یک چشم نفس غمزہ نہ بخشا	۱۵	صیاد بدست غمزہ بہ پیغام تمنا
من مضطرب از شوق بہ ہم نہ بیاید		آغاز وصال تو و انجام تمنا

پے بہ پے آں رہرو عشقم کہ چو فیضی -
کام دل خود یافت بہ انجام تمنا -

نماند گر شب وصل بہاراں را		سہیل طلعت آں ماہ برد باراں را
سوار چابک من زرش چوں برانگیزد	۱۶	قیامتے بود آں روز غمگساراں را
ہنوز کہ بردماند از بہ زمیں گل نرگس		ز اینکہ خاک فرو بردہ تا جداراں را
شراب صاف بتاں در پیالہ ریزند		بنوش مے کہ صفا در صفاست یاراں را

مجوز بوالہوساں گرمی نفس فیضی

کہ سوزِ عشق ندادند خام کاراں را

١٧ زہے بخاکِ درت سجدہ سرفرازاں را — سرِ نیاز براہِ تو بے نیازاں را
چہ جادوئیست ندانم بطرزِ گفتارش — کہ بار بستہ زبانِ سخن طرازاں را
توانگرانِ محبت ز گنج بیزارند — بہ کیمیا نظرے نیست جانگدازاں را

صریرِ کلکِ تو فیضی بہ بزمگاہِ مسیح
نوا بلند کند ارغنوں نوازاں را

١٨ ساقی و جامِ مے و گوشۂ دیر است اینجا — للہ الحمد کہ احوال بخیر است اینجا
نکتۂ عشق مپرسید کہ بیہوشم باقیست — سخن از یار مگوئید کہ غیر است اینجا

فیضی افسانۂ عیسیٰ نفسانم ہوس است
چہ سرِ قصۂ موسیٰ و عزیر است اینجا

١٩ ایں چہ مستیست کہ بے بادہ و جام ست اینجا — بادہ گر جام بنوشند حرام است اینجا
ایکہ از بادیۂ عشق خبر مے پرسی — پائے بردار کہ کونین دو گام است اینجا
نام و ناموس ز ما خاک نشیناں مطلب — ایں مقامیست کہ ناموس نہ نام است اینجا

چوں شدی معتکفِ میکدہ فیضی ہشدار
کز دمِ پیرِ مغاں فیض مدام است اینجا

٢٠ اللہ اللہ چہ فریبندہ مقامست اینجا — پیرِ مغاں اولی اجنحہ داست اینجا
نیست در انجمنِ ما خبر از دورِ فلک — چشم بکشا کہ چہ حاجت بکلامست اینجا
شبِ وصل است کلیم از ارنی لب بربند — گردشِ چرخ ہمہ گردشِ جامست اینجا
قاصدا با تو چہ گوئیم ز حالِ دلِ خویش — یار با ماست چہ حاجت بپیامست اینجا
ایکہ سرچشمۂ حیواں طلبی در ظلمات — کارِ صد خضر بیک جرعہ تمامست اینجا

فیضی از دائرہ پیرِ خرابات مرو
کز کفش کارِ دو عالم بنظامست اینجا

٢١ خستہ تمام دادہ ام آں ماہ پارہ را — مے کردہ ام بزورِ توجہ ستارہ را

آں قطرہ کہ چشم بلش داشت در کنار
آہ اینچہ فتنہاست کہ دوراں تمام کرد

بحرے شد و نہفت ز چشم کنارہ را
در روزگار او ستم نیمکارہ را

فیضی فریب خواجۂ عیار پیشہ است
کز گوش آفتاب کشد گوشوارہ را

٢٢

تا صحت است عنصر شاہ یگانہ را
اے عیش گریہ رفت ز من ورنہ کردمے

پیدا است اعتدال مزاج زمانہ را
ایثار مقدمت گہر دانہ دانہ را

فیضی گذشت کز دل بے صبر ما سحر
آہم با فتاب رساندے زبانہ را

٢٣

قامت کرد سربلند مرا
من دیوانہ دل باو دادم
از ازل من ربودۂ عشقم

سر زلفت ز پا فگند مرا
عاقلاں پند میدہند مرا
نہ رہاند کسے ز بند مرا

شعر فیضی بگو پسندیدم
ایں سخن کے فتد پسند مرا

٢٤

اے زلف تو در سلسلہ جنبانی دلہا
اقلیم بتاں نادرہ ملکیست کہ باشد
سخنے مبراز حد کہ دگر تاب نداریم

از جنبش زلف تو پریشانی دلہا
آبادی آں ملک ز ویرانی دلہا
اے شوخ حذر کن ز گرانجانی دلہا

فیضی سر خود گیر کز اندازہ برون است
در طرہ او بے سروسامانی دلہا

٢٥

غمزہ آموز و چشمت شیوۂ بیداد را
با ہجوم عشق صبر از من چہ میجوئی کہ کرد
بوئے زلف او بسوئے من نمے آید مگر

طرفہ شاگردے کہ میگوید سبق استاد را
لشکر بیگانہ ویراں کشور آباد را
طرۂ او پائے در زنجیر دادہ باد را

فیضی بیتاب دیگر از سر کویش برو
نازک ست اینجا بسر جائے دگر فریاد را

۲۶
نیست امروز نظر بر من بد روز ترا — تا چه گفتند حریفان بد آموز ترا
بر سرم تیغ زنی گر تو نخواهم گردید — که برین داشته جور ستم اندوز ترا
بروای محتشم دهر که ارزانی باد — دل بدبخت مرا طالع فیروز ترا
فیضی امروز ادای تو بخون آموز است
دی بدین حال نبودی چه شد امروز ترا

۲۷
محتسب بگذر ز من تا چند آزاری مرا — چشم من از گریه سرخ و مست پنداری مرا
بر من دیوانه هر دم تهمت مستی نهی — من ز خود بگذشته ام آن به که بگذاری مرا
بیخودی‌هائی که من دارم ز جام و باده نیست — چشم مستش می برد از راه هشیاری مرا
تا یکی از زاهدان شهر بینم سرزنش — از عزیزان جهان تا کی رسد خواری مرا
داشتم فیضی سری با عالم آزادگی
عشق پیدا کرد اسباب گرفتاری مرا

۲۸
سپید کرد مه روزه رو و تاب مرا — که بشکست چنین رنگ آفتاب مرا
قدش بجلوه ازین پیش داشت مضطرب ام — کنون فسرده بآرام اضطراب مرا
ز ضعف روزه بود پیروی استغنا — گر سوال اگر کم دهد جواب مرا
سپهر کاش مه روزه را بر اندازد — که تلخ کرد شب و روز خورد و خواب مرا
زباده دست کشیدم روا بود فیضی
که بشکنند دل توبه ارتکاب مرا

۲۹
من و رندی و سیر مشربها — تا بگیرد قرار مذهبها
جان فدا کرده های جانان را — چه تفاوت ز حشر قالبها
آن گرانخواب را بخلوت ناز — چه خبر از خروش یاربها
بخیالش خوشم که نگذارد — خواب برگرد دیده ام شبها
ای فلک سوی او هم بنشان — ورنه آتش زنم بکوکبها
فیضی در گفتگوی عشق خموش

سوخت این آتشین زبان لبها

۳۰
آواره کرد عشق به یکبارگی مرا ... در عاشقی خوش است بآوارگی مرا
از صبر تلخ چاره من میکند طبیب ... بیچاره ام چه چاره ز بیچارگی مرا
من در تب فراق به بالین نهاده سر ... مرگ از کناره آمده نظارگی مرا
در کف کمند غمزه و بر دوش تیغ ناز ... چشمت فریب داده بعیارگی مرا

فیضی ز نعل توسن او سر نمیکشد
گر بارگی چرخ شود بارگی مرا

۳۱
ای گرم فسون داشته بازار هوس را ... بگشای لب من که اثرهاست نفس را
آن سلسله بر پا که پی محمل لیلیست ... داند که بزنجیر چه راهست جرس را

از خوان سخن ذوق دگر یافته فیضی
آن چاشنی فیض نباشد همه کس را

۳۲
وه که ماوای بلا شد جای ما ... وای بر ما وای بر ماوای ما
ذره مقداریم اما پر بود ... نه صدف از گوهر یکتای ما
عشق ما را کرد چون سلطان فقیر ... خامشی به کوس استغنای ما

رستم از کوی ملک پرسی چه شد
فیضی دیوانه شیدای ما

۳۳
ای کرده چو پرویزن دل از غمزه کمینها ... در طره بصید نظر انداخته چینها
گه آه کشد از دل و گه گریه کند زار ... از سوخته عشق عجب نیست چنینها
در راه تمنای تو من ماندم آنست ... در عشق تو ثابت قدمان مانده همینها

فیضی ز غم و شادی ایام چه بهره
گر عاشق صادق نشنی بگذر ازینها

۳۴
زهی بغمزه زده برده ره نمایان را ... گره مکار ز زلفت گره گشایان را
غریب نیست اگر من غریب شهر خودم ... که کرده عشق تو بیگانه آشنایان را

بشوق کعبه چنان می‌رود قفس کشان
که پا زمین نرسد با برهنه پایان را

بده بدست توکل زمام کشتی دل
که غیر باد مخالف نیست ناخدایان را

طریق رشد ز فیضی مجو که مرشد عشق
نموده راه خرابات پارسایان را

۳۵

منم و عشق و بی‌قراریها
وز دلم ناله‌ها و زاریها

ناشکیبم مکن [illegible]
کز تو دارم امیدواریها

سر بپا [illegible] دل [illegible]
باشد آهسته پاسبانی یاریها

اشکهائی [illegible] پرده بر لبها
نیست در عشق پرده‌داریها

بار عشق تو می‌کشم [illegible]
شرط یاریست بردباریها

فیضی از گریه چهره پاک مکن
[illegible] از دست اشکباریها

۳۶

[illegible] نگاه ما را
بیک نظاره [illegible] ما را

[illegible] حسن [illegible] آتش
شبیه روی دل آگاه ما را

که آید برون از پردهٔ دل
بغیر از نقش جان دلخواه ما را

چو اختر چشم ما [illegible] صبح
[illegible] آن ماه ما را

نیست گر [illegible] ما چون [illegible]
[illegible] ما را

[illegible] فیضی [illegible]
بفیض مرشد اکبر شاه ما را

۳۷

[illegible] ندید لذت [illegible] را
[illegible] عالم [illegible] یکدم [illegible] را

هست هر ذره از یک [illegible] مجنون
گذر ز سرگرد قدم بادیه پیمائی را

گر به چشم نظر بازم نگه [illegible]
بشکستند کلاه [illegible] رعنائی را

ای نصیحت‌گر [illegible]
منع [illegible] باده مکن چشم تماشائی را

فیضی [illegible] گشت از این عشق که دوران امروز

گر داده زتو پیشتر گاه بینوائی را

یارب بناز پرور نازک‌خیال ما را	۳۸	خورشید عافیت کن ابر ملال ما را
سرچشمهٔ دل ما بشگاف و غم برون کن		مگذار تیره رخشان آب زلال ما را
ای عافیت کجائی زین خانه سر برون کن		صاف نشاط گردان دُرد ملال ما را

در حلقهٔ ملامت ذکریست تازه گوئی
فیضی کمال صحبت خواهد کمال ما را

ساقی کشید بقصد دل خون فشرده را	۳۹	گر بر لبم نهند قدح غم خورده را
ای کاش همدمی که رسانید نامهٔ		گوید بمن حقیقت حسرت شمرده را
چون باغ گلشنی که بر غربت [illegible] کش		خاکی بباغ بستان محبت سپرده را

فیضی تو همچو شمع که زند صبح خنده‌ات
پاکیزه‌تر ز چشم لیسی چو تو یک غم‌خورده را

جانان شکر است که بر لب تنگ دهان است او را	۴۰	هر غمزه چیز تر از چنگل باز است او را
گنجش عجیب اگر مائل بخونریز افتاد		کس به ستمشده بمحمود نیاز است او را
بیگانه از لطف هم تا نگهی کشتش		چشمش بغمزه عجب دیده گداز است او را
جان شد رحمت بران غمزه بیداد دهد		گر به نیاز تو عسس حسن بپاست او را

فیضی از غمزه دل دزدی او آگه باش
گر بمعرفت شعبده باز است او را

بزمم چون وادی ایمن شده پر نور امشب	۴۱	شمع از خنده بود شعشعه طور امشب
این شبستان ظلمت که گر دوست بود		دود زین شمع به پیمانه برد حور امشب
بر همه مست که عیسی نفسان میبخشند		شربت صحت جاوید به رنجور امشب
بر سر محتسب از مجلس رندان کانجا		سر خاقان شکسته کاسهٔ فغفور امشب
همه مستان طرب از سر مستی بیست		ساقی آن به که دهد باده به مخمور امشب
ای عزیزان همه مستان که اگر رسد دم		عاشق مست زند طعنه به مستور امشب

فیضی از کنج طربخانه اش آبادان باد
آنکه ویرانهٔ ما ساخته معمور امشب

	۴۲	
دارم از آتش تب حال مشوش امشب		یاران دمید بر من افسون آتش امشب
همخوابهٔ اجل را خواهم کشید در بر		کز خون دیده کردم بستر منقش امشب
ای طالع غنوده بیدار شو که بر من		دارد سر شبیخون چرخ ستمکش امشب
یا یاد دوست کردن شبگیر این ولایت		کامد بقصد غارت غم [illegible] امشب

شرمنده ایم فیضی زین بیخودی که ما را
دیوانگی ز دیدار آن پری وش امشب

	۴۳	
ای نرگس مست تو گران خواب		در هر مژه ات جهان جهان خواب
من کشتهٔ نرگست که پیوست		مستانه کند بگلستان خواب
چشم تو ازین سیه شود باز		کاموخت ز بخت عاشقان خواب
ابروش بدست چشم وا غم		چون سگ که کند بآستان خواب
[illegible] چشم دیده [illegible]		کس دید که چشم پاسبان خواب
خوابی که [illegible]		بیداری دل [illegible] آن خواب
مجلس بسر آمد و حریفان		کردند همه یگان یگان خواب

بیدار نشین به پیش فیضی
کان [illegible] بر دست نگهبان خواب

	۴۴	
بیار می که [illegible] روزگار [illegible] است		سپهر [illegible] [illegible] است
[illegible]		[illegible] است
[illegible]		[illegible] است
[illegible]		[illegible] است
[illegible]		[illegible] است

[illegible] فیضی [illegible]

ز باده در کف او جام آفتاب تف است

٤٥
دیریست که در ملک دلم شور و شرے نیست — وز گردش سلطان محبت خبرے نیست
اے دیده کجائی که دل افسرده ما را — با سوخته سیاره بجستم نظرے نیست
زان تازه خبرها که حریفان تو گفتند — مشتاق که در مجلس ما تازه ترے نیست

فیضی چه شوی اینهمه دلخون ز جفایش
دندان بجگر نه که ترا هم جگرے نیست

٤٦
برائے کوه کن از کاخ بیستون کم نیست — صدائے تیشه ز آواز ارغنون کم نیست
اگر ز بزم برآئیم ملامتم مکنید — که جوش مستیم از نشئه جنون کم نیست
کدام ساقی بدست کرم خونریز است — که بوئے مے بدماغم ز بوئے خون کم نیست
ز شاهراه محبت نشان چه میپرسی — اگر قدم نهی از صد رهنمون کم نیست
خمار باده وصل است در سرم و لیک — ببزم عشرت ما جام لاله گون کم نیست

صریر کلک تو فیضی زبان مرغان است
فسانه هائے خیال تو از فسون کم نیست

٤٧
[illegible] که چو موئے تو روئے زنگی نیست — [illegible] آئینه فرنگی نیست
[illegible] و کوکب [illegible] — کرشمه‌ها ز نگاهت به تیز چنگی نیست
[illegible] ساقی [illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible] نیست

بلاک عشوه خوبان عشق شد فیضی
خراب چهره رومی و موئے زنگی نیست

٤٨
[illegible] یار [illegible] — شام غم و داغ [illegible] قیامت است
[illegible] عشق بود [illegible] — [illegible] آشنا است
[illegible] خلق [illegible] اسباب [illegible] — تنها نه [illegible] است
[illegible] ارشاد [illegible] — [illegible] است

فیضی بر او دوست اگر سر نهاده
از جا مرو که شرط طلب استقامت است

۴۹
در دل من هوس وصل کسے افتاده است — که از درد دل ما هر کس هوسے افتاده است
دل من در کف طفلیست که از بیخبری — بلبلش مرده بکنج قفسے افتاده است
روش راه بتان از من سودا زده پرس — که مرا کار بایں قوم بس افتاده است
حال مرغان گرفتار کسے میداند — که جدا از قدم همنفسے افتاده است

چشم فیضی اگر افتد بجنت عیب مکن
تو همان گیر که در باغ خسے افتاده است

۵۰
مست عشقت چه سر خوش افتاده است — مے حسنت چه بیغش افتاده است
گه کشم آه و گه کشم ناله — کار من در کشاکش افتاده است
دلم از داغ تازه مے سوزد — باز در خانه آتش افتاده است

کس چو طره پریشان نیست
بخت فیضی مشوش افتاده است

۵۱
صبحم از چهره سرخ بیدار تر است — روزم از شب سیاه کار تر است
ایکه مرهم نهی بسینه ریش — جگر از سینه هم فگار تر است
لے نهان در نگار خانه دل — دیده از دل بخون نگار تر است
گرچه از کاه بیقرار ترم — عشقم از کوه استوار تر است

فیضی از آسمان منال که او
از تو آشفته روزگار تر است

۵۲
مجلس ما که چنین گرم است — از نفسهای آتشین گرم است
گو هر شمع تیره کن بزم — ز الفت یاران همچنین گرم است
تا هم آواز شد بسوختگان — چنگ را ناله حزین گرم است
عاشقان لبکه پاے کوبانند — پا بهر سو نهم زمین گرم است

دل من سوخت فیضی از سخنت
کز معنی دل نشین گرم است

٥٣
در جهان شوخ پر عتابی هست — آسمان کینه آفتابی هست
مشمارید مرده مجنون را — تا چو من خانمان خرابی هست
شب هجران بمرگ مشتاقم — هیچست اے دیده چشم خوابی هست
من نگویم که تیغ جور بکش — که به محشر ترا جوابی هست
تا که خواهد گذشت در نظرم — که بچشم من اضطرابی هست

فیضی آخر بمرگ خواهد مرد
غمزه را گو اگر شتابی هست

٥٤
شب گزاں گل مجلس با شنگ داشت — همت از عرض تمنا تنگ داشت
بود یار نرم دل چون نخل موم — اینکه با آهن دلے هم سنگ داشت
داشت گرچه صد نگه در آشتی — هر نگه با آشتی صد جنگ داشت

نظم فیضی را چه سے بینی که عشق
صد چنیں گلهاے رنگا رنگ داشت

٥٥
تهمت نهادن بداغ من غلط است — شگفتن گهر شب چراغ من غلط است
رفته ام که فرو راه عدم بگردم باز — [illegible] نگاه قیامت [illegible] من غلط است
شگوفه در جگر الماس پاره مے شکند — درین بهار تماشاے باغ من غلط است
چنین که سوخته ام سر بداغ لاله چون — نسیم [illegible] زدن بر دماغ من غلط است
[illegible] غریب بود دامن [illegible] آلودم — [illegible] داغ من غلط است

چو فیضیم که [illegible] جگر [illegible]
نگاه یار دگرشان را بداغ من غلط است

٥٦
چشمم ز خواب و گوش ز افسانه پر شده است — ساقی مرا گذار که پیمانه پر شده است
چشم [illegible] ندارد چه گویمست — [illegible] پر شده است

اینست اگر کرشمه کرم پری پشان — فردا زمین ز شور ز دیوانه پر شده ست
شمع من از هجوم اسیران مباد تنگ — فانوس دیده که ز پروانه پر شده ست

فیضی سر نیاز نیارد بکس فرود
یعنی ز خود تهی و ز جانانه پر شده ست

روز عیش است و مرا باده گلگون هوس است — دور گل گر نبود دور شهنشاه بس است
۵۷ بزم رنگین شهنشاه مرا باید و بس — ورنه این لاله و گل در نظرم خار و خس است
سرفرازان جهان دست ورا می بوسند — که بپا بوس شهنشاه مرا دسترس است
شاه عیسی نفس حضرت اکبر شاه — که مسیحا ز او آتش موسی قبس است
هر کجا مجلس او عیش و طرب پیوست است — هر کجا موکب او فتح و ظفر پیش و پس است

فدر و تا دل فیضی بود از دست گران
طفل اقبال ترا طرفه رنگین هوس است

دوش خشت از سر خم باده گساری برداشت — گوئیا از دل این خم دو سه باری برداشت
۵۸ کعبه ویران مکن ای شیخ که شیخ ره باست — هر که سنگی ز سر راه گذاری برداشت
با همه کوه غم درد که دارد دل من — نتواند ز تو معشوق غباری برداشت
مکن اندیشه دل ما چو بدست آوردی — شهسواری چه شد ار خسته فگاری برداشت
باغ دل سبز امروز مرا نه بهار — لیک چشمی ز رخ چون تو نگاری برداشت
ای خوش آن سر که ز کوی تو بتان پیچید — وی خوش آن دیده که از راه تو خاری برداشت

چند پرسید که با این همه حسرت فیضی
رخت برداشت از این جلوه گه آری برداشت

دل گرم خریداری آن عشوه پسند است — زان شوخ بپرسید که یک عشوه بچند است
۵۹ آزاد تر از عاشق بیدل نتوان یافت — گر پای بزنجیر و گر سر بکمند است
تا دامن مقصود بچنگ که درآید — بس ناخن امید که در دل ز تو بند است

فیضی چه غم از شعر تو حاسد نپسندد

الفت لعد سخت شاه پسند است

فتنه نیست که آشنای تو نیست		یا بلائی که مبتلای تو نیست
چه بلا عشوه ساز و فتنه گری	۴۰	که بلا نیز بی بلای تو نیست
فتنه سرکن که نیست آشوبی		که کم است ورقهای تو نیست
آتش افتاده در نسیمم		که سپند کرشمه های تو نیست
دوش افتاده در وطن زد		ناله ی بادو زدکه جای تو نیست

فیضی از عشق تا به سر شد
هیچ غم نیست که برای تو نیست

مرا به او محبت و مشکل افتاده است		که خون گرفته ام و یار قاتل افتاده است
ز باده نوشی چشم من مپرس امشب	۴۱	که جام باده که آتش به محفل افتاده است
بجای که تربیت من است خوان چون چاق		که گل شکسته که چشم بسمل افتاده است
بگو که غم زدگان تعویذ دوستی الیاس		که تیغ شسته ز بسمل افتاده است
مسافران طریقت زمن جدا شوند		که ز دوری شمع منزل افتاده است
پیاده من رو آن شوخ تا چه حیا بند		من آن قتیل که او ز نیم بسمل افتاده است

فیضی به ... پیوسته است
که ... افتاده است

هوای عشق مرا تازه در دل افتاده است		نظر کنید که دریای بی ساحل افتاده است
کمان ابروی تو پیوسته دست کشیده	۴۲	مرا اگر چه شب تاب در گل افتاده است
نظاره را چه کنم چون ز بهر مسلمانان		که سینه بسته من به سینه دل افتاده است
زمن شکافته ... راه عشق نگوید		که تا فتاده در دشت محمل افتاده است
... ره که ... مهربان ...		شب ... که منزل به منزل افتاده است

چو نقش چهره فیضی که پاک بیناند
نظر به آینه دل مقابل افتاده است

۶۳

بزم نشاط باده گساران غنیمت است / ساقی بیا که صحبت یاران غنیمت است

فریاد عاشقان مکش و زدل گره / گلبانگ واکشائی هزاران غنیمت است

درجلوه اند تازه نهالان بوستان / رقص چمن ز باد بهاران غنیمت است

ای همنشین بیا که چمن پر ز لاله شد / گشت چمن بلاله عذاران غنیمت است

فیضی درون کلبهٔ تاریک گریه چند / بر سبزه‌ها تراوش باران غنیمت است

۶۴

شب کزو خانهٔ ما حاجت مهتاب نداشت / چشمش از کشمکش غمزه سیراب نداشت

دیده مست نظر شوق هم آغوش هوش / دل همخواست ولی حوصله‌ام تاب نداشت

ای دل سوخته بسیار طپیدی امشب / ورنه ریش کهنت اینهمه خوناب نداشت

بست همسایهٔ من بار اقامت سحر / چه کند طاقت فریاد جگر تاب نداشت

دوش هر باده که بر یاد حریفان خوردم / دل من سوخت ولی گرمی حباب نداشت

دل فیضی که تو با خاک برابر کردی / جام جمشید بدین گونه می ناب نداشت

۶۵

در فراقت چشم گریانم نجاک و خون یکیست / گو هزاران نامه بنویسم همان مضمون یکیست

کم نه سر بسته طومار جنونم پیش یار / گرچه مرغ وحشت سیمائم که با مجنون یکیست

ای درون بزم با شیرین لبان پیمانه کش / گاه گاهی هم بیاد آور که در بیرون یکیست

جام امید مرا صهبای طرب لبریز کرد / گرچه مارا بی تو خوناب شئ گلگون یکیست

از خیالت نیستم فارغ نخواهم بود هم / با غمت همدم نیست فیضی را دل محزون یکیست

۶۶

سر کرده‌ام رهی که خطرها درو کم است / طی کرده وادیی که گذرها درو کم است

ای خضر منتی که درآ قطع کرد نیست / وحشی که کوه‌ها و کمرها درو کم است

قاصد برو برو که بمن روی کرده باز / عشقی که نامه‌ها و خبرها درو کم است

دربر ز خم [illegible] که در عالم خیال / درمانم بیگانه ایست که دریا [illegible] درو کم است

	شکر بگو هر دلِ فیضی بچشم کم این قطره را به بین که گهرها در و کم است	
آنکه بنشست براست ز سرِ دل برخاست اے خوش آن صبح که عاشق ز شکرخوابِ وصال زینهم عفو که بر دوشِ عنایت بستند خسروِ عشق مگر خانه براندازِ رسید	۶۷	وانکه افتاد درین بادیه مشکل برخاست دست در گردنِ معشوق حمایل برخاست خونِ ما بود که از گردنِ قاتل برخاست چه غبار است ندانم که ز منزل برخاست
	دوش رندانه شنیدند ز فیضی غزلے که به صد نعرهٔ مستانه ز محفل برخاست	
این جهان جمله نمود است در و بود کجاست در دو نوشان همه رفتند ازین دیرِ فنا بوئے مقصود نمے آید ازین بوم دریغ اے منجم چه خبر یافتهٔ از افلاک خاکِ هستی همه بر بادِ فنا رفت ببین وائے زاهد که بمحراب عبادت عمرے	۶۸	حسنِ یوسف چه شد و نغمهٔ داود کجاست بزمِ جمشید کجا جامِ مے آلود کجاست گردِ ان مجمره گردیم ولے عود کجاست طالعِ سعد کجا کوکبِ مسعود کجاست آبِ فرعون چه شد آتشِ نمرود کجاست سجدها کرد و ندانست که مسجود کجاست
	فیضی این هرزه درائی چه کنی در رهِ عشق محملِ بادیهٔ کعبهٔ مقصود کجاست	
بر سینه ام ز بارِ غمت کوهسارهاست احوالِ عاشقانِ بلاکش ز من مپرس اندیشه از وبالِ ابد کن که عاقبت پیالهٔ من اگر شکنی جائے شکوه نیست	۶۹	وز خونِ دل بهر طرفش لاله زارهاست کین قوم را بقدرِ جنون اعتبارهاست در حشر کشتگانِ ترا با تو کارهاست خوے ترا بعهدِ تو دائم قرارهاست
	فیضی تو از کجائی و گلگونش از کجا آهسته رو که در کفِ پائے تو خارهاست	
سرو که بخجل قدت سروِ نو رسیدهٔ ماست	۷۰	طراوتے که تو داری ز آبِ دیدهٔ ماست

بداغِ عشق بلاها کشم منیگوئی — که این ز سوختهائے بلاکشیده ماست
ترحمے بدلِ مبتلائے ما میکن — که این غریب اسیرِ فراق دیدهٔ ماست
فغان ز خوئے ستم پیشه که در مجلس — به تنگ آمده از حرفِ ناشنیدهٔ ماست
بخون دل که دمادم چکد ز دیده خوشم — که این ز بزمِ محبت مے چکیدهٔ ماست
گزیده ایم ز یاران غم نهانی را — که او ز همنفسانِ یارِ برگزیدهٔ ماست

بشوق تازه گلے گفته این غزل فیضی
بیاد دار که از نکتهائے چیدهٔ ماست

۷۱

کدام سر که درو خار خارِ سودا نیست — کدام سینه که خاریدهٔ تمنا نیست
کدام دیده که از دیدنت فریب نخورد — کدام دل که ز عشقِ تو ناشکیبا نیست
کدام کوه نوردے که سر بسنگ نزد — کدام بادیه گردے که خار در پا نیست
کدام عرصه که نظاره گاهِ عرش نشد — کدام گوشه که هنگامهٔ تماشا نیست
کدام ذره که دیدیم و آفتاب نشد — کدام قطره که چون بنگرند دریا نیست
کدام وعده که بر روزِ حشر موقوف ست — کدام رتبه که آنجا دهند و اینجا نیست

کدام سوخته فیضی که نورِ عشق نیافت
کدام خم که درین بزم پر ز صهبا نیست

۷۲

گر باده در کفِ من و ساغر شکسته نیست — نومید نیستم که درِ فیض بسته نیست
برخاستند بزم نشینان پئے سماع — غیر از سبو بمجلسِ ما کس نشسته نیست
اختر شناس رو که من تیره روزگار — زان فارغم که کوکبِ بختم خجسته نیست
یارب چه ظالمی تو ندانم که در میان — آزادهٔ دو کون ز قیدِ تو رسته نیست

فیضی ز دستِ سنگدلانِ اهلِ بزم را
خم گو شکسته باش اگر دل شکسته نیست

۷۳

عاشقم سرگرمی من از شرابِ ناب نیست — در بطِ دریائے آتش جلوه گاهِ آب نیست
بختِ بیدارم به بین کارامگاهِ چشمِ من — از خیالِ او چنان پر شد که جائے خواب نیست

عشق مفروش اے فلک چندیں کہ شہباے غریب		تیره شامان محبت را سر مهتاب نیست
روئے با دیوار آوردن دلیل کافریست		سجده گاه عارفان را حاجت محراب نیست
ما کجا و ذوق عشرتخانۂ سلطان کجا		در خیر آتش نشینان بستر سنجاب نیست

فیضی آب دیده خون آمیز مسریزی هنوز
ایں چہ سر اشکہاے پنہان تو بے خوناب نیست

عید بد روزان دریں ایام نیست		روزه داران بلا را شام نیست
میخورم پر کالۂ جگر	۷۴	نقل عاشق پستہ بادام نیست
کیف رو تعلیم آدابم مکن		که مرا او فرصت اسلام نیست
تا بکے گوئی کہ نو اسلم ابلہ		منتظر را حاجت پیغام نیست

نشۂ فیضی بود از بزم عشق
جرعۂ چاشنی فیض عام نیست

یکدل ز آفتاب ازل بے شعاع نیست		ہر ذره که مے بگری بے سماع نیست
در سینۂ تنگ تنگ غم دل نہاده ایم	۷۵	در چار سوئے عشق ازیں متاع نیست
من دردمند عشقم و پرسش پیش من		آمد و شد طبیب بغیر از صداع نیست
بر گریہ ہاے زار من اے تنگدل مخند		عشق از قدیم آمده است اختراع نیست
راز فلک مجوز مخبیم کہ عقل او		بر حکمت قضا و قدر اطلاع نیست

فیضی خراب نشاء دور دمادم است
ساقی بیا کہ فیض مرا انقطاع نیست

خوشم کہ در دل من ذره تمنا نیست		کہ ناامیدی عاشق کم از تقاضا نیست
دگر بوعدۂ روز قیامتم مفریب	۷۶	کہ تنگ حوصلہ را انتظار فردا نیست
توئی کہ گرد سراپرده ہاے مژگانت		بہ تیر غمزه چنان شد کہ تار را جا نیست
دلم گرفتہ فراموش کرده چشمکم		بکار خویش کسے چون تو دیر پروا نیست
چہ سود سوئے تو دیدن بدل نگہ کردن		کہ تا نگاه دگر کرده ایم او با ما نیست

ترا چه زهرهٔ دیدن بسوی او فیضی که تاب جلوهٔ دیدار کار موسی نیست		
ای دل صبور باش که در بارگاه دوست آه از دروغ وعدهٔ من کز پی فریب	۷۷	نومیدی تو غرض تمنای دیگرست فردای حشر طالب فردای دیگرست
فیضی بحرف عشق تو کس پی نمیبرد سربستہ نکتهٔ تو معمای دیگرست		
ساقی برو که مستی ام از جای دیگرست پروانه وار عاشق هر شمع نیستم ای خضر سوی آب چه یابم چه میبری بوی گل بهشت ندارد دماغ من	۷۸	سرگرمیم ز آتش سودای دیگرست سوز دلم ز انجمن آرای دیگرست مخمور عشق تشنهٔ دریای دیگرست داغ دلم ز لالهٔ صحرای دیگرست
فروغ شمع محبت ز آتش دگرست درخت وادی این سوز و آتش طور سرم بعشوهٔ ساقی فرو نمی آید	۷۹	درونه سوختهٔ مرا بلاکش دگرست که بهر سوختن ما همه آتش دگرست که مستی دلم از جام بیغش دگرست
مکن ملامت فیضی اگر قدح نکشید که او ز بادهٔ توحید سرخوش دگرست		
جگر غم بکرانه افتاده است غرض از هر دو کون تشنه لبیست عشق و چندین هوس که سر کند	۸۰	دل من در میانه افتاده است باده خوردن بهانه افتاده است رسمها در زمانه افتاده است
گرچه فیضی براه زهد افتاد خوردنش عاشقانه افتاده است		
من برای خسته سیرم کآشنا هم محرم است خوش دلم کز دیدهٔ من شد سفید از انتظار ای اسیر عشق لمس ... بر من مزن	۸۱	از مقامی حرف بیگانه هم که دم نامحرم است گرچه دیدار خوبان دیده هم نامحرم است خلوتی دارم بیاد او که غم نامحرم است

من اگر مکتوب ننوشتیم عیبِ ما مکن		هر که نبود پاک دامن در حرم نامحرم ست
فیضی از بزمِ نشاطِ ما حریفان غافلند هر کجا ما جام میگیریم جم نامحرم ست		
روئے زمیں ز گریهٔ ماتم گرفته است	۸۲	طوفانِ اشکِ ماست که عالم گرفته است
مشکل که نیم کام کشد یارِ آرزو		زینسان که پشتِ طاقتِ ما خم گرفته است
اے من حریف آنکه بطبعِ زمانه ساز		پیمانهٔ طرب ز کفِ غم گرفته است
محروم باد از تو کسے کز برائے غمِ من		خود را به بزمِ وصلِ تو محرم گرفته است
فیضی به بزمِ شاه حریفیست کامیاب کو جامِ آرزو ز کفِ جم گرفته است		
امشب ز بسکه آتشِ گل در گرفته است	۸۳	شب خویش را بروز برابر گرفته است
شمع از صبا نمرده و در باغ شمعِ گل		از بادِ صبح زندگی از سر گرفته است
اهلِ جهاں همه پے کارے گرفته اند		خوش وقت آں حریف که ساغر گرفته است
آں خسروِ یگانه که در گلشنِ جهاں		جز نرگس از سرِ همه افسر گرفته است
فیضی کتابِ عشق ترا جدولِ طلاست یا پادشاه نظمِ تو در زر گرفته است		
دوش از شمع نه پروانه بدعوے مے سوخت	۸۴	ملکے بود که از نورِ تجلے مے سوخت
گر شجر ماند سلامت چه عجب کاتشِ طور		آتشے بود که از وے دلِ موسے مے سوخت
هست بر دیده مجنوں سرِ یک موئے حجاب		ورنه از آه سیه خانهٔ لیلے مے سوخت
خانه در کوئے هوس ساختمے گر نه بنا		برقِ عشقت خس و خاشاکِ تمنا مے سوخت
شب که فیضی سخن از سوزِ دلِ خود مے گفت دلِ صاحب نظر از گرمیِ معنے مے سوخت		
هر جا حکایتِ دلِ دیوانهٔ من ست	۸۵	مجنوں بخاک گوش بر افسانهٔ من ست
ترسم که رفته رفته شود برقِ خانه سوز		ایں شمعِ دلفروز که در خانهٔ من ست

حسنِ ازل بدیدهٔ من بیں کہ کس نیافت ‌ ‌ ‌ ایں بادهٔ کہن کہ به پیمانهٔ من ست

فیضی به سجده دیدهٔ من گر فرو دهی
خورشید بسنج گوهرِ یکدانهٔ من ست

هر کس بکار مرتبهٔ ارجمند یافت ‌ ‌ ‌ فرهاد کوه کند و مقامِ بلند یافت
۸۶ روزِ ازل نصیبهٔ خود بُرد هر کسے ‌ ‌ ‌ عاشق ازاں میانه دلِ دردمند یافت
غافل مشو ز گریهٔ مستاں که مے تواں ‌ ‌ ‌ صد گوهرِ مراد ازیں آب کشند یافت
رَو از بلا متاب که آسودهٔ وصال ‌ ‌ ‌ کامے که یافت از دلِ مشکل پسند یافت

فیضی که مست بود سحر بوسه از لبش
دانم که یافت لیک ندانم که چند یافت

عالم خرابِ حسنِ قیامت نشانِ کیست ‌ ‌ ‌ دورِ کدام فتنه گرست و زمانِ کیست
۸۷ در بزمِ اهلِ حال حدیثے که میرود ‌ ‌ ‌ هنگامه سازِ خلوتیاں داستانِ کیست
قربانِ آں تغافل و آں پرسشم که دوش ‌ ‌ ‌ فریادِ من شنیدی و گفتی فغانِ کیست

فیضی توئی به بزمِ سخن آتشیں نفس
خاموشیست ز غمزهٔ جادو زبانِ کیست

گرچه جاں بیتو به لب نزدیک ست ‌ ‌ ‌ دور بودن به ادب نزدیک ست
۸۸ راهِ امید که دورست و دراز ‌ ‌ ‌ چوں نهی گامِ طلب نزدیک ست
زار جاں میدهم از دوریِ او ‌ ‌ ‌ اے اجل رو که سبب نزدیک ست
گفته شب بتو نزدیک شوم ‌ ‌ ‌ روزِ عشاق بشب نزدیک ست

سوخت فیضی و طبیباں دانند
گرمیِ عشق به تب نزدیک ست

اے خونِ خلق ریخته چندیں وبال چیست ‌ ‌ ‌ چندیں هزار سر برهت پائمال چیست
۸۹ نزدیک و دور در رهِ عاشق برابرست ‌ ‌ ‌ اے بیخبر فراق کدام و وصال چیست
ناصح ملامتِ منِ دیوانه میکند ‌ ‌ ‌ ما دردمندِ عشق چه داند که حال چیست

فیضی ز قامت تو سخن تا بلند کرد
دانسته ام که تربیهٔ اعتدال چیست

صبر و قرار با من محزون نمانده است	۹۰	جمعیتی که داشتم اکنون نمانده است
خون میخورم ز دست جفای تو عمرهاست		وین طرفه تر که در تن من خون نمانده است
با من یگانه باش که در گردش روزگار		جز قصهٔ ز لیلی و مجنون نمانده است
گر روزگار زیر و زبر شد مرا چه غم		عاشق مدار کار بگردون نمانده است

فیضی حریف مجلس رندان بود مدام
هرگز قدم ز دائره بیرون نهاده است

بازم دل پر خون ز غم بزم نشینیست	۹۱	شور ابنه اشکم بخیال نمکینیست
از رهزنی غمزهٔ زنان باک ندارم		در راه نظر گرچه بهر گام کمینیست
بی دوست جهان کندن از آنم که ز غم		هر روز که بی او گذرد روز پسینیست

از نالهٔ فیضی گذر این همه نافع
زنهار میندیش که فریاد حزینیست

گل کرد عشق و در کف من خار غیرتست	۹۲	خون شد دلم چکار کنم کار غیرتست
خود را بسوی غیر مکش ورنه بگسلد		سر رشتهٔ وفا که نگهدار غیرتست
چون غیرتست زادهٔ کعبهٔ مراد		ای خوش خجسته دلی که گرانبار غیرتست
آسوده سینه که بر و یار عاشقیست		آزاده خاطری که گرفتار غیرتست

فیضی ز باغ او همه گلچین عشرت اند
در گلستانش نصیبهٔ من خار غیرتست

دوش غم ز خستهٔ اقامت از دل ناشاد بست	۹۳	گرد غم تنها در آمد یار رو در را باز بست
عاشق از نیروی قوت کوه بردارد ز پیش		بگذر ای خسرو که نتوان راه بر فرهاد بست

نازد به پیکانهای او فیضی به چاک سینه ام
سنگدل بنگر که عیش من ز فولاد بست

۹۴
هزار جان پی آن شوخِ جرعه نوش برفت — که جای گرم مجلس بکرد و دوش برفت
کدام وعده بیاد آمد و چه شد که چنین — سخن نکرده تغافل زبان خموش برفت
تو خضرِ راه شوای همنفس مسیح مرا — که بر لب آمده جانم بیک خروش برفت
فسانهٔ جم و جامش مگو که زین دستان — لبی بگوش در آمد لبی بگوش برفت

چه شکرست بهندوستان ترا فیضی
که آبروی دکان شکرفروش برفت

۹۵
باز در سوختنم خوی تو آتش خیز است — کاسهٔ چشم تو از زهر نگه لبریز است
دل بجوی تو گرفتار و تو بی پرواست — از کبابم خبری گیر که آتش تیز است
پردهٔ عافیت از خود ندریدم چکنم — جنبش غمزهٔ بدمست بلاانگیز است

فیضی از هند شدم سوی خراسان و مرا
تازه گلدستهٔ دیوان تو دست آویز است

۹۶
تا بر نامهٔ کلکِ من آتش خیز است — باز نوکِ مژه چون خامه سیاهی ریز است
کاغذ و کلک چه از سوز دلم بر تابد — خس و خاشاک بکف دارم و آتش تیز است
داروی تشنگی افزای جگر سازم — که ز یاقوت سرشکم مژه گوهر بیز است

فیضی از حال دل و دیده سخن میرانی
که سیاهی ز سرِ کلکِ تو خون آمیز است

۹۷
سرِ ازل از فلک مجوی که دور است — روز و شب اینجا حجاب ظلمت و نور است
نیست کلیمی که چشمِ دل بگشاید — ورنه بهر ذره تجلی طور است
پای مبالا منه که پایه بلند است — دم ز تقرب مزن که شاه غیور است
نکتهٔ سربسته گو که مجلس انس است — باده باندازه کش که بزم حضور است
چند طلب می‌کنی نشان قیامت — از دم خود غافلی که نفخهٔ صور است
بهر تو آراسته‌اند عالم دیگر — خیمه برون زن که عرصهٔ تو ضرور است
طالب دیدار بزم حشر نخواهد — زاهد ما عاشق کرشمهٔ حور است

مرده دلی فیضی از نشاط قدم کش
ماتم خود دار این نه مجلس سور است

دل خوبان شهر مایل تست	۹۸	سنگ آهن ربا مگر دل تست
گر نه آهن دلی بران دارد		از چه آئینه در مقابل تست
خیز و در چشم پاک من بنشین		دل پر خون من نه منزل تست

مشکلت حل نه کرد کس فیضی
مشکل کائنات مشکل تست

فغان که چشم تو بر باره بلا نگذاشت	۹۹	هجوم غمزه پی یک نگاه جا نگذاشت
ز بس که عربده انگیز شد کرشمهٔ تو		میان ما و اجل ذرهٔ جفا نگذاشت
چنان ز خوی تو بیگانگی رواج گرفت		که صبر را بخیال تو آشنا نگذاشت
چه ساحری تو ندانم که دردمندان را		فسون عشق تو تاثیر در دوا نگذاشت
ز بس هجوم هوس پروران کام پرست		سفر ز کوی تو میخواستم وفا نگذاشت

هزار مرتبه فیضی ز عشق میسوزم
که در هوسکدهٔ سینه مدعا نگذاشت

ساقی دل ما خواست درین دیر حوادث	۱۰۰	آن دختر رز را که بدوام خبائث
طوفان غمست ای دل ازین جا بده خود را		در کشتی می کش که نه نوح است نه یاغیث
بیدم ز ازل تا به ابد محو تماشا		حسن تو قدیم است و دگرها همه حادث
مشکل که شهید تو سر از خاک برآرد		گر روز قیامت بود و شوق تو باعث
زان فتنهٔ ایام مپرسید که حسنش		آشوب بلای دو جهان را شده باعث
مشتاق تو هر دو و غم دیده تو بر باد		این طایفه چیزی نگذارند بوارث

فیضی ز فلک غم مخور امروز که فردا
صد چرخ ز جا میرود از سیل حوادث

مگو که رنج علل من طبیب شد باعث	۱۰۱	طبیب را چه ملامت نصیب شد باعث

چنین که محملِ امید بستم از درِ دوست — ز من مپرس که حالِ غریب شد باعث
جفا و جورِ رقیبان تفاوتم نکند — بلاست اینکه برآنها حبیب شد باعث
ز ناله بس مکن ای دل بشاه راهِ جهان — که تا نفس زده عنقریب شد باعث
نه مستِ بوی گلم در چمن که شوقِ مرا — خروشِ بیخودیِ عندلیب شد باعث

چنین که رندی و مستیست مشربِ فیضی
نصیبِ واعظ و پندِ ادیب شد باعث

۱۰۲ بده ساقی آن آبِ آتش مزاج — که باشد دلِ افسردگان را علاج
شراب است آبی که شد در ازل — بآن آبِ جان کیمیا امتزاج
بیا تا فروشیم دین را به می — که بازارِ تقوی ندارد رواج
اگر منکر از می شود شیخِ شهر — ندارند رندان دا احتیاج

بود فیضی آن خسروِ ملکِ عشق
که از ترکِ تاجش بود ترکِ تاج

۱۰۳ ساقی غنیمت است نشاطِ دمِ صبوح — آن گرمِ تیز بیار که دارد مزاجِ روح
بگشا درِ طرب کده زانکه می سبو — تا دمبدم ترغیب گشاید درِ فتوح
عمری دراز چیست حیاتِ ابد بخواه — کوته نهند در نظرِ خضر عمرِ نوح

فیضی ترانهٔ سحری می کشد بلند
لاح الصباح فاغتنموا عشرة الصبوح

۱۰۴ سعادتیست جوانی و صبح و جامِ صبوح — که آن مقربِ ذات است ذی جناحِ روح
ملامتی و قدح خوار و رند و بیباکیم — باهلِ حال نمودیم حالِ خویش شروح
فتاده ایم ز طوفانِ غم بگردابی — که غرقه گشته در آن صد هزار کشتیِ نوح
بیار ساقی از آن می که زود فرو شوییم — ز لوحِ خاطرِ خود نقشِ توبهٔ نصوح

ز فیضِ باده شوی آگه ار شود فیضی
دری ز معبد و خیاتش بر دلت مفتوح

۱۰۵

بهار شد بکشا دستی از برای قدح — که دور دور گل است و هوا هوای قدح

نفس نفس غم و شادی ست در درونشان را — ز گریه های صراحی و خنده های قدح

بمجلسی که مسیحا پیاله میگیرد — نمیرود زر خورشید در بهای قدح

بشو درونهٔ دل در تبسم زیادهٔ صاف — گرت هواست که یابی بخود صفای قدح

خراب عشوهٔ آن ساقیان جان بخشم — که گنج عقل ستانند رو نمای قدح

اگر در آرزوی باده جان دهد فیضی
بلوح تربت او نقش کن دعای قدح

۱۰۶

برکف نهاد ساقی خورشید رو قدح — دست از قدح مکش بکش از دست او قدح

از خوی نشد نیمکش تا زمی کشند — ده چون زنیم اگر کشد آن نازنین قدح

خم خم بده شراب که از فیض پیر دیر — دریا کشان میکده را شد سبو قدح

گردد هزار جوش و خروش از خمار من — گر داشتی لبان صراحی گلو قدح

در فصل نوبهار خوش آنها که میکشند — در پای گل صراحی و بر طرف جو قدح

فیضی اگر کسی ز تو پرسد بدور گل
کز بزم پادشاه چه خواهی بگو قدح

۱۰۷

کرده از باد بهاری جلوه شاخ — غنچهٔ دل تنگ را شد دل فراخ

گل بر آمد از نقاب غنچه سر — صبح چون خورشید ازین فیروزه کاخ

لاله با سنگ گر سر بر زد ز کوه — همچنان کاتش جهد از سنگلاخ

دل درین گلزار میبستم ولی — برگ ریز عمر نزدیک است آخ

کلک فیضی میدهد گلهای تر
میدود معنی رنگین شاخ شاخ

۱۰۸

دهر را مژده که روزی دگری پیدا شد — گر تو خورشید سحرخیز تری پیدا شد

خفتهٔ بخت شب تفرقه بیدار شده — که در آفاق مبارک سحری پیدا شد

آسمان دید شب روز جهان گردی او — گفت خورشید مرا همسفری پیدا شد

اے کہ از تیر اقبال نظرے خواہی
گمرہان رہِ تقلید بحیرت بودند

چشم بکشا کہ صاحب نظرے پیدا شد
شکر کاین قافلہ را راہبرے پیدا شد

چند تاریک نشینی شب ہجران فیضی
خیز کز صبح سعادت اثرے پیدا شد

۱۰۹
سرو من پائے کہ در جلوہ گہِ ناز نہاد
کاشکے اشک من از پردہ نیاید بیرون
چہ توان کرد کہ دیوار غم افتاد بلند

ہر کجا مرغ دل روے بپرواز نہاد
آنکہ در درج محبت گہر راز نہاد
لیک بنائیست کہ آن خانہ برانداز نہاد

قصۂ فیضی و رسوائی او مے گفتند
ہر کہ بر انجمن گوشش برآواز نہاد

۱۱۰
ترکے کہ شوخ جنگجوش نام کردہ اند
قومے کہ غافلند ز ناز و کرشمہ اش
یارب ز سیل میکدہ طوفان رسیدہ باد
در سجدۂ کہ سر ز تن مے شود جدا

تیرے کہ مے زند نگہش نام کردہ اند
خورشید خواندہ اند و مہش نام کردہ اند
بتخانۂ کہ قبلہ گہش نام کردہ اند
در ملت وفا گنہش نام کردہ اند

فیضی بچشم غمزہ گری تا نگاہ کرد
عشاق خانمان سیہش نام کردہ اند

۱۱۱
ساقیان دست بجام طربش کردند
این چہ مے بود کہ ساقی بقدح ریخت فرو
خضر را آب ز حسرت بدہن مے آمد
آنچہ مستی ست کہ اصحاب بدست افشانی
ساقیا ریخت بادہ بران قوم حرام

خضر را تشنۂ این چشمۂ آتش کردند
کہ مسیح و خضر از رشک کشاکش کردند
زانچہ در میکدہ رندان قدح کش کردند
طیلسان فلک از بادہ منقش کردند
کہ دماغ طرب از عقل مشوش کردند

بدنہ گریند کہ دیوانہ دل فیضی را
بستۂ سلسلہ مویان پری وش کردند

۱۱۲
بجلسے مے ازان لعل آتشین تکلیف
کہ خون گرم من از دیدہ بر زمین پیدا

گہ خرام چو گیسو گرہ زناں سے رفت — چو مشک تر کہ ازاں زلف عنبریں نچکید
چکید خون دل از پردہ ہائے دیدہ برو — بہ بزم پیر مغاں بادہ از جبیں نچکید
نشد ز مے عرق آلودہ عارضش کزاں — خوئے خجالت خورشید از جبیں نچکید

نماند گریہ کناں دست بر جبیں فیضی
کہ خوں بگوشۂ داماں آستیں نچکید

113 نازنیناں کہ دریں میکدہ صہبا نوشند — بادۂ حسن ز قرابۂ دلہا نوشند
شربت مرگ ز پیمان اجل زنداں را — بہ کہ آب خضر از دست مسیحا نوشند
بادۂ شوق ز جام طرب امروز بنوش — کہ فرح نیست دراں بادہ کہ فردا نوشند

فیضی از محرم عشقی ز حریفاں بگریز
مے ایں میکدہ شیشہ ایست کہ تنہا نوشند

114 جلوہ چو باں قد و قامت کند — پیشتر از مرگ قیامت کند
جز بہ خم محراب کجست در جہاں — مست ندیدم کہ اقامت کند
گر نکند یاد تو ہنگامگی — دیاں ز تشنہ نرگس اقامت کند

فیضی اگر بگذری از دین و دل
ملک جنوں عشق بپا مت کند

115 ہلال عید کہ چندیں نگاہ افتد — خمیدہ است کہ در پائے بادشاہ افتد
چو سر خمیدہ سیاہ پوش شاہ سے خواہد — کہ آفتاب بگرد و بپائے ماہ افتد
ز حکم شاہ بترسد و گرنہ زاہد شہر — کشد پیالہ و بیخود بہ عیدگاہ افتد
عناں بکش ز کمند مسلسلے خود — بزیر سم سمند تو دادخواہ افتد
ستم کشاں ز تو ہم چشم عاشقانہ دارند — چہ شد اگر نظر شاہ بر گناہ افتد

بازا شبم بہ مژدہ کہ گوش سے برد — دو چشم زماں اماں پئے آغوش سے برد
یک رہ بر دل خمار اعم کہ در راہ انتظار — ہر چشم ہزار عاشق مدہوش سے برد
امشب ز تیغ خنجر ساقی کنارہ کن — کاں دل ہمہ حریف قدح نوش سے برد

فیضی هوائے وصل کہ داری در آب مشیت
دل مے طپید درون و برون دش مے برد

این حسن را بحسن طراز آفریده اند	۱۱۶	این عشق را بعشق نیاز آفریده اند
نتواند از فریب دل خلق باز ماند		آن چشم را که شعبده باز آفریده اند
از باغبان گلشن خوبی روائی است		کان سرو را بعمر دراز آفریده اند
در ابروئے تو سجده اگر مے برم رواست		محراب را ز بهر نماز آفریده اند

فیضی حدیث عشق رقم زن که خامه ات
معنی نگار و نکته طراز آفریده اند

مهربانیهائے بدخوئے مرا دیوانه کرد	۱۱۷	مرد بیهائے پری روئے مرا دیوانه کرد
نکهت عنبر دماغ عقل تر دارد ولے		رنگ بوئے عنبرین موئے مرا دیوانه کرد
گر من از مردم گریزان بیشوم معذور دار		آشنائی سگ کوئے مرا دیوانه کرد

گرچه فیضی را جنون انگیز مے آید سخن
طرز گفتار سخنگوئے مرا دیوانه کرد

عشقم به ارث تیغ نظر جوهرے نداد	۱۱۸	پرواز داد گرچه که بال و پرے نداد
منزل شناس عشق نشد هیچ قافله		تا کاروان بسوی تو غارت گرے نداد
بس بے گنهم بآه خود من آتش نهاد		چون کند دریائے آتش تا بهی طوفان باد
اے خرد کیاست معذوری اگر دم و کشتنی		زانکه شام تیره روزان را نباشد بامداد
صد ره از خبر شهید عشق با خون کفن		کشته معشوق را در روز محشر نیست داد

چون نگرد و روشن از دیوان فیضی دوست را
کو سویدائے دل خود کرده ام از سواد

مے رود خنده زنان جلوه گری را نگزید	۱۱۹	جلوه قهقهه کبک دری را نگزید
مے خرامند جوانان زده پرها بر سر		در میان پریان شاه پری را نگزید
زین دعاها که نخراشد جگر خاره از د		در دلش نیست اثر بے اثری را نگزید

شاہدِ حال کہ چوں شب ہمہ شب میسوزم		آتش آلودہ نوائے سحری را نگرید
فیضی امروز زجانم رمقے ماند و ہنوز نیست کس را خبرے بیخبری را نگرید		
چشم تو چوں غمزہ نہانی کند پائے تحمل نرود از رکاب کردلۂ ... نفس مدعی	۱۲۰	سرمہ دراں چشم گرانی کند چوں نگہت گرم عنانی کند آنچہ بگل بادِ خزانی کند
آنچہ بہ فیضی نظرِ دوست کرد مشکل اگر دشمن جانی کند		
عاشقاں جاں را فدا در کوئے جاناں میکنند عید قرباں است در خوباں ہر طرف بہر ثواب نیست در دین بتاں قرباں روا این کار ہا آہ ازیں سنگیں دلاں آہو چشم کز تیغ نگاہ جام مے بر کف بیا در کعبہ مے گو مست	۱۲۱	حاجیاں چوں حج ادا کردند قرباں میکنند نیم بسمل را بہ تیغ و تیر احساں میکنند ہر زماں خونریزی از تیغ مژگاں میکنند خون شیراں را بخاک و یکساں میکنند حاجیاں را رخنہ در ارکان ایماں میکنند
فیضی ازیں بادہ بیاد از کہ پرسد زیں ستم کیں مسلماناں بچشم نامسلماں میکنند		
سحر نسیم صبا مژدہ گلستاں داد پیالہ غنچہ بانداز بیعذائی شد بساطِ دستِ منقام نشاط خوباں شد ز سرو گل چہ کشد خوش شد آں شگفتہ دلے	۱۲۲	بہار تازہ بہ سرو سہی بپا دستاں داد نشاطِ نعمت دو عالم بہ تنگدستاں داد ہوائے باغ مراد ہوا پرستاں داد کہ دل بتازہ نہالان نازپستاں داد
فلک اگر بتو بیداد مے کند فیضی بہ نیم جام شاہ جہاں از پیالہ پستاں داد		
رہ نوردانِ طلب رندہ بہ منزل نرسند	۱۲۳	تا نپیر شد دریں راہ لب ساحل نرسند

غیر مجنوں کہ شناسد کہ چہ دارد لیلیٰ خفتہ در عہدِ عماری سخن انداماں را شربتِ ذوق براں مردم بیدرد حرام	١	گر بآں مرتبہ خوباں قبایل نرسند چہ غم از آبلہ پایاں کہ محمل نرسند کہ بکیفیتِ مجنون ہمہ اہل تر سند

تاقۂ شوق دریں بادیہ مشتاں فیضی
روکہ منزل طلبیاں در حرمِ دل نرسند

آہ از خمارِ من کہ بہ مستی نمے رود عاشق کہ زخم خوردۂ شمشیر آرزو ست	١٢٤	در و سرش بیاد پرستی نمے رود از کوے او بہ تیغ دو دستی نمے رود

فیضی کجا و قطعِ نظر از بتانِ ہند
از کافر آفتاب پرستی نمے رود

عشق آمد و دل بدل گرو شد از دیدہ بدل نزول بدیدہ گفتم کہ بسوئے من مبیں دید	١٢٥	پیماں نگہ لبش تازہ نو شد صد قافلہ شوق تیز رو شد گفتم کہ بلائے جاں مشو شد

در پندِ شنیدنِ تو فیضی
پیر خرد م گراں شنو شد

نسیم وصل سحر گرہ گشائی بود نظر بساغر دیدار دیست دلطرب دو رنگئی نگہ او بہ چشم زدن کرشمہ دست درآغوشِ غمزہ داشت سحر غرور پردہ برانداختہ جمال گشتہ	١٢٦	ہوس بکوچۂ امید در گدائی بود غم از کنارہ لبش حسرتِ جدائی بود نگہ بدلبری دگہ بہ دلربائی بود میانۂ ستم و داد آشنائی بود وگرنہ لازمۂ حسن خود نمائی بود

نشاندہ دولتِ دیدار جاودان فیضی
ولے مبلغ نسبت کرایں کار بیوفائی بود

من بیاد او کہ یادش مستی و دیوانگی کند یکطرف دل چو شرر کیست تیز از آتش جگر	١٢٧	خود بیاد آرد اگر تا کفر ز شیر تیشہ کند سینہ من وا شد اگر شنشہ در انجام کند

پند گو فرمایدم تسکین نور دیدن بصبر
من سراپا آتشم تا چند خس پوشم کنند

مے نشینم پهلویش در بزم از مستی بگر
سر بزانو کم نهد یا تکیه بر دوشم کنند

بزم گر اینست و ساقی این و ذوق باده این
عشق هم سوا ساز میدانم قدح نوشم کنند

فیضی امشب مطربے خواهم که از یک ناله چنگ
گه بهوش آرد مرا و گاه مدهوشم کنند

۱۲۸
فریاد که غمزه ات چنان برد
جان را ز اجل نمیتوان برد

من بودم و صبر و هوش و آرام
عشقت همه رایگان بگان برد

صیاد چگونه مے برد صید
چشم تو دل مرا چنان برد

دشنام ترا ملک بتعظیم
مانند دعا به آسمان برد

زلف تو هزار پارسا را
از کعبه بسوی میکشان برد

کام از تو کسے چگونه خواهد
نام تو نمیتوان نهان برد

دل برد و جهان نماند فیضی
درد تو بجود جهان جهان برد

۱۲۹
نسیم خوشدلی از فتح پور مے آید
که پادشاه من از راه دور مے آید

چنیت [illegible] آفاق راه کوه گرفت
خبر دهید که موسی بطور مے آید

درون کوه صداے نشاط مے پیچید
ز بزم عیش نواے سرور مے آید

شهر ماه بود کز فراز عالم قدس
پے نثار طبقهاے نور مے آید

چه دولت است قدومش که مردم از دل خلق
هزار گونه طرب در ظهور مے آید

زمین هوس که در انتظار همنفسان
جهان بجان و دل ناصبور مے آید

خجسته باد بعالم قدوم او فیضی
که عالمے بمقام حضور مے آید

۱۳۰
اگر از قول غزل گویان مرا آواره کرد
تا مرا ناخوانده از بزم رقیبان پاره کرد

بعد عمرے کاشنا گشتم بآن بیگانه خو
رفت و ترک آشناییهاے ما یکباره کرد

یا رب بے پرواست مے باید سر بر سنگ زد — عشق سنگین است مے باید دلے از خاره کرد
زاہدا با من حدیث چشمہ کوثر مگو — آتشی دارم بدل کز آب نتوان چاره کرد
عشق پرورده‌ام چون من لذت دیدار یافت — هر دو عالم را بلا گردان یک نظاره کرد

فیضی از آشوب عشق آنکس که آگاهی نیافت
تهمت آوارگی بر گردش آواره کرد

۱۳۱
باز عشق زور دست آمد گریبان پاره کرد — سینه را خواهم دگر از دست افغان پاره کرد
تا بدامان قیامت ماند رسوائی جهان — آنکه یوسف را ز بینائی گریبان پاره کرد
گر ز دست او گریبان پاره ام نبود عجیب — صد لباس کعبه را آن نامسلمان پاره کرد
شد دگر گل چیدنم در گلشن وصلش محال — عار نیست تا امیدی بسکه دامان پاره کرد

باز شد فیضی گریبان چاک از دست تهی
عشق ترسا بین که دلق شیخ صنعان پاره کرد

۱۳۲
یا رب آن شوخ ز من تنگ چرا مے آید — هر دم از نام عشق تنگ چرا مے آید
ما بکولاں گدازش سپر انداخته ایم — او بصد عربده و جنگ چرا مے آید
سپر صد چهره برافروخته شمشیر بکف — غرضش چیست بایں رنگ چرا مے آید

گر چه فیضی بخیالش و ہنش نکته سرا است
پیش او قافیه تنگ چرا مے آید

۱۳۳
دل نصیب ار بقا عشق چه لطف قسمت گیرد — چه بلا حرابیت کرده با جبل کسنار گیرد
با سیر کردن دل باکس اضطراب شده است — کز شکار پیشه تیرے بصد انتظار گیرد
چو بیفکند گشت چشم بوصال خوش دامن — که درخت چون شگوفه بنمود بار گیرد

نه فروغ دیده دانند نه فراغ دل ندانم
که هنوز کار فیضی بکجا قرار گیرد

۱۳۴
ده بگویم که بمن چرخ ستمگار چه کرد — کوکب سوخته و بخت سیه کار چه کرد
بچه مے کرد مرا مغ به پرستیدن بت — در حرم رفته طواف در و دیوار چه کرد

۱۳۵

دشمنان باز بهم انجمنی ساخته اند — از زبانم نه تکلف سخنی ساخته اند
یارب این تازه گل گلشن امید کجاست — که بهر گوشه ز بویش چمنی ساخته اند
کعبه و بتکده یکرنگ حریفان خودبین — خود مسلمانی و خود برهمنی ساخته اند
رشکم آید ز مقیمان تهان خانهٔ خاک — که ز اسباب جهان یک کفنی ساخته اند

خنک آن سوخته جانان که چو فیضی از خویش
هدف غمزهٔ ناوک فگنی ساخته اند

۱۳۶

بسیار مه و مهر سها کام برآید — تا همچو تو یک فتنهٔ ایام برآید
شوقم نه چنان ست بوصل تو که هرگز — کار دلم از نامه و پیغام برآید
بر طور گذر گر طلبی نور تجلی — زین برق هدایت نه ز احرام برآید
زینگونه بهر صبح گر از بام برآئی — خورشید ز خجلت پس ازین شام برآید

زین طالع برگشته محال ست که هرگز
کام دل فیضی ز تو خود کام برآید

۱۳۷

مسوز دل که ز گرمی هلاک خواهی شد — مباش ایمن از آتش که خاک خواهی شد
بآب دیدهٔ خود هیچ شست و شوئی کن — مگر در آتش سوزنده پاک خواهی شد
مباش غره باطلس که عاقبت چون گل — بخاک با کفن چاک چاک خواهی شد
بسربلندی مسند گرفتی غرور مناز — که سرنگون بدرون مغاک خواهی شد
بشادمانی ایام دل مبند زنهار — وگرنه تا ابد اندوهناک خواهی شد

مشو فریفتهٔ دوستی کس فیضی
که هم بدوستی او هلاک خواهی شد

۱۳۸

درا که در جهان بجز افسرده دل نماند — نبض زمانه را حرکت معتدل نماند
زمین ز دود دل تنگ من سیاه — یک سبزهٔ نشاط درین تیره گل نماند
نام و نشان اهل کرم بود بر سخن — شد نام ناپدید و نشان سجل نماند
خلقی گرفته پیش عملهای نادرست — وانهم که ماند از عمل خود خجل نماند

شکستند کارنامهٔ مانی بآب زر		جز نقش کارخانهٔ چین و چگل نماند

فیضی ز آستانهٔ تجرید سر مکش
دانی که تخت طغرل و تاج قزل نماند

کوهکن گرچه قناعت ز جوی شیر بیش کرد	۱۳۹	کو ایشگاه فتنه جا در دل سنگینش کرد
خاک و خون خوابگه عیش و طرب ساخته‌ام		آنکه از غنچه و گل بستر و بالینش کرد
زاهد از سنگ در کعبه نیارد بستن		عشق آن رخنه که در بتکدهٔ دینش کرد
آنکه کیش او ز بانگم به ملامت یکجهت		عشق رسوای دو عالم چو آئینش کرد

فیضی این شعر چه سحریست که در مجلس شاه
دید دیوان ترا خامه به تحسینش کرد

عشق تا کی شرمسار کفر و ایمانم کند	۱۴۰	نی مسلمان سازد و نی نامسلمانم کند
بندهٔ آن چشم فتانم که چون شد در نظر		از نسیم مژگان آشفته تابهای گیسو پریشانم کند
سخن از حد بری با من چه پیهم بستهٔ این		ترسم این شکوهٔ دلهاییست گران جانم کند
جذبهٔ کو که ز دلم بیرون برد شغل دو کون		تا یکی جمعیت خاطر پریشانم کند

نظم من تسخیر خوبان کرد فیضی عاقبت
این دم گیرا که من دانم پری خوانم کند

همچون حباب گشت سرم در میان خون	۱۴۱	این موج خیز فتنه چرا این گهر نداد
گر شد سرم به خاک برابر چو شمع عشق		این سجدهٔ قبول به هر سینه سر نداد

فیضی چو شمع گر خاک نشین ملامتم
کین پایهٔ عشق داد مرا دیگرے نداد

بخاطرے که توئی آرزوئے نگنجد	۱۴۲	میان عاشق و معشوق مو نمی‌گنجد
ز حرف عشق اگر خامشیم خرده مگیر		که در زبان و لب این گفتگو نمی‌گنجد
روا است حریف که من مست بادهٔ شده‌ام		که در صراحی و جام و سبو نمی‌گنجد
بدی ز من مطلب ای که در دل من		بجز تصور روی نکو نمی‌گنجد

اگر زمانه شود گلگل از نسیم بهار　　بغنچه دل ما رنگ و بوی نمی گنجد

بدست فیضی ازان ابتر است قفل دل
که در شکنجه امید او نمی گنجد

۱۴۳
مست گلگون سوار من نگرید　　ترک مردم شکار من نگرید
دارم از یار خود امید وفا　　دل امیدوار من نگرید
انتظارش بحشر خواهم برد　　غایت انتظار من نگرید
منم از جام عشق زهر آشام　　تلخی روزگار من نگرید
ناله زار زار من شنوید　　در جگر خار خار من نگرید

همچو فیضی ز وصل محرومم
بخت ناسازگار من نگرید

۱۴۴
از عشق من خبر بگوئید　　از منزل پرخطر بگوئید
ای گرم روان وادی عشق　　ماهیت این سفر بگوئید
من پند کسان نمیکنم گوش　　این را به کسی دگر بگوئید
اندیشه ندارم از ملامت　　این قصه بلند تر بگوئید
ای سنگدلان نماند صبرم　　گویم غم خود اگر بگوئید
بر من شب هجر میکند ظلم　　یاران خبر سحر بگوئید

ای راه روان دل چو فیضی
ز دوست که ترک سر بگوئید

۱۴۵ حال
با قامت خمیده مه عید شد پدید　　یعنی خمیده وار صراحی بشام عید
امشب گشاده شد در میخانه از هلال　　صد ساله گرچه بود ره از قفل تا کلید
از جام می چو چاک نکردند اهل دل　　وز ماه نو چو چاک ندیدند اهل دید
چون محتسب جهان همه از بهر راحت است　　خرم کسی که روزه گشاد و قدح کشید
کفارت شنیدن تسبیح زاهدان　　صوت رباب و قلقل می میتوان شنید

آنکس که می نگشد مصفا بروی آب — دیدم ز ظرف دامن او باده می چکید

عیدم مبارک است که فیضی صفت مدام
از شیشه مستفیضم و از باده مستفید

۱۴۶
در جنبش است موی بموی رئیس شوق — گوئی ز بزم شاه نسیم طرب وزید
شاه زمانه اکبر غازی که روز جشن — صیت نوال او ز عرب تا عجم رسید
لبریز باد برکف او ساغر مراد — تا در عجم شراب بود در عرب نبید

۱۴۷
من و آن نگاه خوبی که ز عین ناز باشد — چه خوش است کاوش از مژه چون دراز باشد
تو بهانه ساز بر من منه از نگاه منت — که نگاه نازنینان کشش نیاز باشد
دل و دین چه کار هم آید که از و نگاه دارم — دو جهان فدای شوخی که کرشمه باز باشد
صنمی دگر بهم زد دل [illegible] بهم غارت — دم پادشاه گردش نهم ترک تاز باشد
تو لب [illegible] چه [illegible] ای [illegible] مسیح — بخدا که [illegible] هستی به از این نماز باشد

به شب [illegible] فیضی اگر است صفا مقصد
که ز شب [illegible] رشتائی اثر گداز باشد

۱۴۸
صورتگران که نقش رخ او کشیده اند — سیم دهان او ز سر مو کشیده اند
بالای چشم ابروی مشکین آن غزال — مدی بود که بر سر آهو کشیده اند
کردم نگارخانهٔ دل را نظاره — دیدم که صورت تو [illegible] کشیده اند
یار غم مرا [illegible] نشد برکشیده — آنانکه کوه [illegible] کشیده اند
ای [illegible] هلاک چهره گشایان خیره چشم — کان دلفریب کیش حیا رو کشیده اند

فیضی چه بود کشته ناز ستمگران
هر چه تیغ ساعد و بازو کشیده اند

۱۴۹
وحی گم شده ز تجنانه خدا خواه چند — دین [illegible] باخته دیده مسلمانی چند
یاد باد آنکه بزلف تو زلوفشان [illegible] — بود هر موی مرا سلسله جنبانی چند
جان فدا کرده بیداد گرم شده ام — که بجان دست نداند ز پریشانی چند

در صفِ حشر اگر سوئے شہیداں گذری | یادی از زندگی خویش پشیمانے چند
سر کوئے تو مقامیست که باشند درو | خانماں باخته بی سر و سامانے چند

فیضی از نکته شناسی سخن عشق مگو
جز به بزمے که شناسند سخن دانے چند

صبح خیزانے که فیض از چشمهٔ جاں دیده اند | خویش را در گریه همچوں صبح خنداں دیده اند
۱۵۰ بندهٔ آن خرقه پوشانم که دائم همچو صبح | دامن از گل چیده آتش در گریباں دیده اند
ذره بیمایه اگر در قطرهٔ دل گشته اند | هیات خط وجوب از سطح امکاں دیده اند

چشم جاں را سرمه کش فیضی که ارباب نظر
روئے معنی را ز رہنمائے عرفاں دیده اند

هست در اقلیم خرد ناموس ببینید | دل بی طپش جنبش ناقوس ببینید
۱۵۱ گر در دل من رفت و دلم سوخت عجب نیست | آتش زدن شمع بفانوس ببینید
شیدائیم و ننگ است آدم از طعنهٔ مردم | رسوائی کونین بناموس ببینید

فیضی بپرستش خاک بسر میکند امروز
اکلیل کئے و مسند کاوس ببینید

زبان سنگدلی من بدر نمی آید | امید وارم و امید بر نمی آید
۱۵۲ بکام دلم و جاناں من نمی پرسد | ز پاشکستگیم و عمرم بسر نمی آید
خبر ز یار ندارم و از برائے خبر | کسے که رفته از و هم خبر نمی آید
خیال یار چناں جا گرفته در دل من | که جز خیال او در نظر نمی آید
عجب که کار من از هجر تا بروز کشد | نوید وصل تو امشب اگر نمی آید
رقیب بر سر شکست مرا می ستیزد | گرسنگی ازاں بدگهر نمی آید

همیشه در سر بسر منزلی چه شد فیضی
مگر ز دست تو کار دگر نمی آید

علی الصباح که باد بهار می آید | ۱۵۳ | مرا ز آمدنش بوئے یار می آید

بکجاں تو کہ نیاید ز ہجر بر جانم خبر ز آمدنِ قاصدِ تو میگویند تسلّیٔ دلِ من در فراق ممکن نیست		ہر آنچہ بر دلم از انتظار مے آید ولے اگر تو نیائی چکار مے آید اگر ز نامہ و قاصد ہزار مے آید
	مگر کہ از اثرِ گریہ ام بود فیضی چنیں کہ گفتۂ من آبدار مے آید	
شب دل از یادِ تو در عالمِ حیرانی بود نامِ فرہاد و مہر کاں ہوس اندوختہ را مے کشم آہِ شرر بار چہ پیدا الستم شوقِ بیتابیٔ دل بمن آوردہ ہجوم بسالہا غرہ باسباب سلامت بودیم ناشستیم در آتش ز بتے روشن شد	۱۵۴	موسے عشق مرا ذوق غزلخوانی بود خانہ در کوہ گرفتن زگران جانی بود کاتشِ آشنائی دل را شرر افشانی بود برواے صبر کہ در معرکہ ناتوانی بود دہ کہ جمعیتِ ما عین پریشانی بود کہ در آتشکدہ ہم نورِ مسلمانی بود
	فیضی آں بخت کجا رفت کہ در عالمِ عشق سر و سامانِ من از بے سر و سامانی بود	
بہار آمد و نرگس بہ باغ مستی کرد ز خود بر آمدۂ در چمن نسیم فتاد بلبل بپائے شاہدِ گل	۱۵۵	صبا بطرۂ سنبل دراز دستی کرد بغیر غنچہ کہ رفعِ حجاب مستی کرد برہمن ست کہ مستانہ بت پرستی کرد
	بدورِ گل اگرم نیست مے چہ غم فیضی کہ عندلیب قدح ناکشیدہ مستی کرد	
خط کاں ستم آفریں نویسد من کشتۂ او کہ نامۂ قتل چوں تیغ کشد بقتلِ عشاق زیں سال کہ قضا نگاشت مشکلش گر عمر ابد بود کہ عاشق	۱۵۶	بر فتنہ براتِ کیں نویسد با صد گرہ جبیں نویسد دست و بغل آفریں نویسد مشکل کہ دگر چنیں نویسد آنرا دم واپسیں نویسد

	فیضی غم دوست کز ازل یافت اقبال ابد قرین نوید	
هر سخن بوئے چمن میکند برق زن خرمن صد گلشن است آنچه نگاهش همه عمر کرد	۱۵۷	بازندانم که سخن میکند خنده که آن غنچه دهن میکند غمزه بیک چشم زدن میکند
	فیضی اگر ترک فنون میکنی عشق ترا نادره فن میکند۔	
دل از خم زلفش رود و باز پس آید از نور محبت چه خبر تیره دلان را احرام درت بسته ام از هر نگاهے لیلی چه بری ناقه بهر سوئے که مجنون	۱۵۸	مرغے که شد آموخته خود در قفس آید جانبازی پروانه کجا از مگس آید هر کس بسوئے کعبه پے ملتمس آید زان گونه نه شد گم که به بانگ جرس آید
	اے سلسله مویان گذرید از دل فیضی کین طائر قدسی نه بدام هوس آید	
من آن صیدم که هر دم سر بجائے میتوانم زد بآن خون جگر گر دیده من گرم مے آید ترا فرزانه پیدا شد غافل کز جنون دل تو اے شاطران کز من روئے بیتابی بمیدانی	۱۵۹	لفتراک سوارے دست و پائے میتوانم زد جگر خواران هجران را صلائے میتوانم زد دم بیگانگی با آشنائے میتوانم زد که از همت دو عالم را بقفائے میتوانم زد
	بچشم نکته سنجان گرچه فیضی طوطئے هندم بمرغان خراسان هم نوائے میتوانم زد	
باز خوبان پے تاراج سواری کردند پے پرخانه خرابے که روان بگذشتند یکنفس در نظر ما نه گرفتند قرار سوئے هر خسته که مستانه نگاه فگندند	۱۶۰	نیشتنها تیغ یا غمزه شبیه داری کردند چشمش آن چشمه خون بود که جاری کردند دیدها گرچه بخون پرده نگاری کردند خانه پرداخته چشم خماری کردند

بر زمینے کہ نہادند قدم از سر ناز		دست حسرت ہمہ بر سر زدہ زاری کردند

فیضی از دست بتاں جاں نتوانی بردن
جاں شکاراں ہمہ چوں قصد شکاری کردند

مسافراں کہ قدم زیں جہاں بروں زدہ اند	۱۶۱	بپائے توسن خود نعل واژگوں زدہ اند
فلک بکام نہ گردد و گر نہ گرم رواں		چہ تازیانہ بریں توسن حروں زدہ اند
نہ داغ بر سر دیوانہاست کاہل خرد		بنام جور کشاں سکۂ جنوں زدہ اند
نواں ز قہقہۂ شیشہ و صراحی یافت		کہ خندہا ہمہ بر عقل ذوفنوں زدہ اند

شراب عیش مجو فیضی از جہاں کہ سپہر
خم تہی ست کہ بر خاک سرنگوں زدہ اند

ساقیا امروز نوروزست فردا روز عید	۱۶۲	یک دو روزے میتواں جام مے عشرت کشید
جام مے بر دست گیر و پا بگلشن نہ کہ باز		باد دست افشاں بہ آمد آب پاکوباں رسید
عشرت نوروز را نتواں بعید انداختن		داد عیش امروز باید داد فردا را کہ دید
عاقلاں را دامن صحبت ز چیدن خوشست		ہر کہ دامن دامن از گلزار عشرت گل نچید
ناصحا امروز از صوت و غزل گوشم پراست		جائے آں دارد اگر پند تو نتوانم شنید

کام بخشا عید نوروزست و فیضی پر ہوس
عیدی و نوروزی او از کرم تو شود [illegible]

دوش ز دیدار دوست بزم پر از نور بود	۱۶۳	شمع بر افروختہ چوں شجر طور بود
چشم نظر باز من سوئے پری پیکراں		گر نظرے میفگند حسن تو منظور بود
عاشق بے صبر و دل زہرۂ دیدن نداشت		بس کہ ز نور حیا روئے تو مستور بود

جرأت فیضی گشتہ پردہ [illegible] نظر
ورنہ بہ نزدیک من صبر بہ از دور بود

گرد گلشن چو بتاں برزدہ دامن گردند	۱۶۴	از کجا گرد دل سوختہ چوں من گردند
دست بر سر زدن ما ندبہ [illegible]		[illegible]

اگر آمیزش اغیار چنین است بہ تو		دوستاں زود بکام دل دشمن گردند
عید وصل تو بروں آ کہ اسیران فراق		ہدف ناوک آں غمزۂ پرفن گردند

چوں کنم جا بدل سخت نکویاں فیضی
کہ نہ آں آئینہ ہا اند کہ روشن گردند

اگر روم پے آں شوخ راہ مے دُزدد	۱۶۵	دگر نظر کنم از من نگاہ مے دُزدد
مرا خیال تو ہر شب ز دیدہ خواب بُرد		کہ دزد بیشتر از خوابگاہ مے دُزدد
درون سینۂ عاشق گداخت از تف دل		ز خون گرم تو از بسکہ آہ مے دُزدد
ز دست رفتہ دل من بدست عیارے		کہ روشنی ز شبستان ماہ مے دُزدد

نہاں ز صبر برد چشم او دل فیضی
چہ ہندوے کہ بدوران شاہ مے دُزدد

قیامت است چو آں نازنیں خرام کند	۱۶۶	جہاں بزلزلہ آورد و جلوہ نام کند
بچشم دادہ اجازت کہ فتنہ انگیزد		بغمزہ کرد اشارت کہ اہتمام کند
دلا بگیر سر خود کہ یار اگر ایں است		ہزار روز قیامت بوعدہ شام کند
توئی کہ بعد قیامت تو از نگہ بقضا		قیامتے دگر از غمزۂ تو وام کند
چنیں کہ با سپہ فتنہ خیمہ بیروں زد		قیامت است بشہرے کہ او قیام کند
نشان روز قیامت نیایدم باور		مگر بغمزۂ خوں ریز قتل عام کند

چنیں کہ قد تو از پا فگند فیضی را
بحشرگاہ قیامت مگر قیام کند

ز رگ تن گرمی خوے تو بجہاں آتش زد	۱۶۷	تو باین خوے توانی بجہاں آتش زد
بجز عشقت ز ہجراں بجہاں موج انگیخت		برق حسنت ز کراں تا بکراں آتش زد
دل کہ از آتش او سینۂ من سوز زد		دشمنے بود کہ در خانہ نہاں آتش زد
ہر کہ با گرمی بازار محبت خو کرد		رخت بر رخت نہادہ بدکاں آتش زد

فیضی از شوق بہر بزم کہ شد گرم سخن

دفتر مدّعیاں را بزباں آتش زد

١٦٨ چو ترک کج کلہ من سوارہ میگذرد — نظر چہ سود کہ کار از نظارہ میگذرد
جگر شگافتہ ناوکِ توام کہ بہ دل — نہفتہ میرسد و آشکارہ میگذرد
درونہ خستۂ تیغِ تغافلم بگذار — کہ ریشِ کہنہ چو گردد ز چارہ میگذرد
من از ستارہ شمارے شنیدہ ام کہ اگر — سرشکِ من ز شمارِ ستارہ میگذرد

بصبر و طاقتِ او کیست در جہاں فیضی
کسے کہ از سرِ کویش دوبارہ میگذرد

١٦٩ سحر چو ساقیٔ ما مستِ خواب برخیزد — پے نظارۂ او آفتاب برخیزد
سرِ قرابہ چو در بزمگاہ بکشاید — ہزار جوش و خروش از شراب برخیزد
ز زہدِ خشک چہ حاصل کہ از ادائے ساقی — بیک پیالۂ صد حجاب برخیزد
بہر طرف کہ اشارت کنی بگوشۂ چشم — ہزار فتنۂ حاضر جواب برخیزد

بہ مجلسے کہ سر آید سرودِ غم فیضی
خروش و ولولہ از شیخ و شاب برخیزد

١٧٠ صد کاروانِ مشتری ایستادہ منتظر — کاں یوسفِ یگانہ ببازار در رود
بدمستے ستمگر و خونریز و جنگ جو — باشد کہ کس بہ بزمِ تو ہشیار در رود
کے نالہ از خدنگِ جفایت کہ سینہ را — بسیار زیں بر آید و بسیار در رود

مگسل ز خواب فیضی اگر فیض بایدت
نورِ سحر بدیدۂ بیدار در رود

١٧١ شد وقت آں کہ دیگر اُردی بہشت آید — در ہر گلے کہ بوئی بوئے بہشت آید
ہم ابرِ نوبہاری کافور بار خیزد — ہم بادِ صبحگاہے عنبر سرشت آید
مستم خبر ندارم از دُرد و صافِ دوراں — فارغ ز ہر چہ پیشم از خوب و زشت آید

سلطان و گل بر افسر فیضی و داغ بر سر
بر سر ہر آنچہ آید از سرنوشت آید

۱۷۲

چه سازد عاشقی کز وصل جانان بی نصیب افتد
مبادا بیدلی چون من بشهر خود غریب افتد

چو خود از دولت دیدار محرومم بصد حسرت
نوشتم نامهٔ باشد بروی چشم حبیب افتد

شراب هجر را پیمانه پر شد چشم می دارم
که بهر بزم وصلش تازه طرحی عنقریب افتد

طبیبان غافل اند از دردمند عشق میترسم
که من میرم ز درد هجر و مشکل بر طبیب افتد

بیاد آرم ز رنگ آمیزی ساقی و خون گریم
که دانستم که از دوران چنین نقش غریب افتد

خدارا بر زبان خامه راز دل منه فیضی
مبادا نامهٔ شوق تو بر دست رقیب افتد

۱۷۳

چه می پرسی ز من حال دل غم دیدهٔ چون شد
دلم خون گشت و خونم آب و آب از دیده بیرون شد

سپهرا رحم کن بر تیره بختیهای من یکره
کزین خورشید رخساران سرشک من شفق گون شد

رقیبان همره اندر پیش من گر باز پرس افتد
خبر گوشید یاران را که آن فرزانه مجنون شد

اشارت نامهٔ گر دهم فرستم در حسب حال خود
که غیر از یار نتواند کسی آگه ز مضمون شد

اگر چه از بزم تو دورم ولی اقبال می گویند
که هم یارم بچنگ افتاده هم کارم بقانون شد

مرا بخواب دارد قصهٔ فیضی چه دانستم
که بهر خواب بندی خواهد این افسانه افسون شد

۱۷۴

ترک من با سپاه ناز رسید
فتنه را وقت ترکتاز رسید

هم جفا جنگ فتنه ساز گرفت
هم بلا ارغنون نواز رسید

طبع تیغ باز در نوردید تند
دور رندان پاکباز رسید

وقت فریاد و تخراش گذشت
دم آه جگر گداز رسید

فیضی از وصل دست کوته کن
که ملامت زبان دراز رسید

۱۷۵

دلم هزار ملامت ز بهر آن دارد
که یک دلست و تمنا جهان جهان دارد

ببیند در رخ من که آه نیم شبم
سر کشادن در هائی آسمان دارد

زبانه زیر و زبر شد هنوز می گویند
که دور حسن تو زینگونه صد قران دارد

سزاست گر بسر دار عبرت آویزند
هزار پاره دلے را که نیم جان دارد

مپرس قصهٔ فیضی که از شکایت تو
هزار ریزهٔ الماس بر زبان دارد

١٧٦
مے نالم و دلم ز پئے ناله میرود
دین نیم جان مانده ز دنباله میرود

ابر بهار قطره زنان مے رسد ولے
زین کشت تشنه داغ گل لاله میرود

ده چون کلیم ز چشم ملائک فریب او
کز یک نگاه طاعت صد ساله میرود

لے وائے چون کنم چو مے نالم از فراق
با ناله از دلم دو سه پرکاله میرود

دورم مدان ز موکب آن شهسوار حسن
گر من نمیروم ز پیش ناله میرود

فیضی بگردش آر قدح دمبدم که شاه
گجرات فتح کرد و به بنگاله میرود

١٧٧
چشم ها بروئے ماه من نگرید
همه روے کجکلاه من نگرید

عاشقم دیده است و مے کشدم
اے عزیزان گناه من نگرید

تیره روزم ز آفتاب رخان
روزگار سیاه من نگرید

آرزو در دلم گره کرده است
این همه سنگسار راه من نگرید

شعر فیضی گرفت عالم را
شاعر بادشاه من نگرید

١٧٨
ز سینه هر سحرم بے تو دود آه بر آید
سفینه سحر عاشقان سیاه بر آید

بسے به بوالهوسان بر کنار سبزه خرامی
که خاک گردم و از خاک من گیاه بر آید

ز خون خلق محابا مکن که روز قیامت
شهید عشق تو از خاک عذر خواه بر آید

خدائے را مژه از هم کشا ازین چه زیانت
که مدعائے دو عالم بیک نگاه بر آید

جهان کشائے جهاندار شاه اکبر غازی
که آرزوئے جهان زین جهان پناه بر آید

همیشه تخت نشین باد با شکوه خلافت
که کام خلق ازین تخت و تخت گاه بر آید

بشاه راه ارادت بیا شتافته فیضی

که هر مراد که داری ز بادشاه برآید

هر گه که مست من بلب بام میرود — عقل از قرار و صبر ز آرام میرود ۱۷۹
من از کجا و دعوی آزادگی ز عشق — کازادهٔ دو کون درین دام میرود

تابوت فیضی از حرم کعبه میرود
آتش درو زنید که این خام میرود

بے وصل یار عمر بے کام میرود — روز و شبم بنامه و پیغام میرود ۱۸۰
اے شهسوار ناز کجا گرم میروی — شبدیز عمر بین که بسی تنگ گام میرود
رفت از کرشمهٔ دل ناپایدار من — دین هم به نیم عشوهٔ سرانجام میرود
گل ریز و مے فروش که تا کردهٔ نگاه — دور قدح چو گردش ایام میرود
هر چند از صراحی مے دست میکشم — بے اختیار لب بلب جام میرود

فیضی مکن ستیزه که دائم سزای اوست
چندین ستم که بر دل خودکام میرود

پاکبازان را بمه رویان نظر پنهان بود — ابروی بیداد خون تا بر جگر پنهان بود ۱۸۱
کاروان عاشقان بگذشت و گردی برنخاست — ره نوردان محبت را سفر پنهان بود
ساقی امشب سرخوشم گردان ز جامم آرزو — گرچه در هر جرعهٔ صد درد سر پنهان بود

خواه فیضی لب فرو بندد خواهی ناله کن
بندهٔ عشقم اگر پیدا و گر پنهان بود

نگارینم بدست آئینه دارد — که چون آئینه خود سینه دارد ۱۸۲
برخ آئینه دارد در برابر — چرا آئینه بر آئینه دارد
مسلمانان فغان کان ناخدا ترس — مسلمان است و در دل کینه دارد
ز فیض محتسب میخانه امروز — هوای مسجد آدینه دارد

مگو فیضی تهی دست است کز آه
کلید قفل دو گنجینه دارد

آنها که بر وجود و عدم در به بسته اند	۱۸۳	طرفی ز راحت دو جهان بر به بسته اند
همت بلند دار درین ره که عاشقان		خط وفا به بال کبوتر به بسته اند
از جان مترس تا بحیات ابد رسی		بر آب خضر سد سکندر به بسته اند
بکشا طلسم گنج که کار آگهان بخت		اقبال را به سلسلهٔ زر به بسته اند

فیضی خموشی تو بدین آستانه چیست
بانگی بزن که حلقه بدین در به بسته اند

دیگر عنانم از کف تدبیر می رود	۱۸۴	سر در کمند و پای بزنجیر می رود
این ترک تازکیست که از کشور دلم		صبری برهنه پای بشبگیر می رود
با کعبه رو بکوی که از کوی دیر هم		راهی بکارخانهٔ تقدیر می رود
چندان نگاه می کند آن ترک تند خو		تا از سرم جوان و دل پیر می رود

فیضی چه ساحری تو ندانم باین نفس
کز هند جادوی تو بکشمیر می رود

خوبان که خط بکاغذ گلگون نوشته اند	۱۸۵	بر نام عاشقان سجل خون نوشته اند
ای نکته دان گر از قلم صنع آگهی		در سر نوشت ما بنگر چون نوشته اند
می در پیاله ریز که این امر نکته ایست		خطی که گرد ساغر گردون نوشته اند
خیز ای طرب چه جای طرب دل شکست من		زین گونه نامه نام تو بیرون نوشته اند

فیضی فراق نامهٔ عشاق خوانده ایم
از عشق ماست کین همه مضمون نوشته اند

زان پیشتر که سلسلهٔ جان بهم خورد	۱۸۶	ای دل تو غم مخور که ترا نیز غم خورد
محمل بعزم مرحلهٔ دور بسته ام		ترسم که پای ناقه بسنگ حرم خورد
بت زیر خرقه کرده حرم می کنم طواف		قندیل کعبه وای اگر بر صنم خورد
مجنون ز راه عشق ز من پیشتر گذشت		کین کوچه ایست تنگ قدم بر قدم خورد

فیضی بجان رسید ز نازک دلی خویش

این آبگینه کاش بسنگِ ستم خورد

۱۸۷ بیارگاهِ قیامت که ما جرا بخشند / گناهِ کعبه بخاکِ کلیسیا بخشند

بشاهِ راهِ ارادت بروئے گرد آلود / نشسته ایم بدریوزه تاجها بخشند

بخاکِ راه یکے شو که در ولایتِ عشق / سریرِ فضل برندِ برهنه پا بخشند

ز کارِ بستهٔ غمِ دل مخور که عشق گران / گره زنند و لیک آنگه گره کشا بخشند

سر از زمینِ ادب بر مدار کاهلِ نظر / بخاکِ خاصیتِ سایهٔ هما بخشند

بجامِ من و دلِ اندوه کش ولے چه کنم / چو تابِ کاه ربائی به کهربا بخشند

دمے بصدق برآور که آرزو بخشان / هزار گنجِ اجابت بیک دعا بخشند

مکن تامل اگر قصدِ خونِ ما داری / که کشتگانِ تو هم با تو خون بها بخشند

به بزمِ شاه چو خواشند نظمِ فیضی را / سزد که گفتهٔ عالم بیک ادا بخشند

۱۸۸ مطربے خواهم که سازش را بصد تجمل زند / زخمه بر جان رساند تا نفسے بر دل زند

ساده لوحے بیں که میخواهم نجات از دامِ او / آنکه از نامهربانی تیغ بر بسمل زند

گر بپا سرداری اے مجنونِ بے تدبیر چیست / ناقهٔ لیلے اگر زانو در آب و گل زند

فیضی امشب طلعتِ ساقیست بزم افروزِ ما / صبح کو تا خنده بر اقبالِ مستعجل زند

۱۸۹ حدیثِ عقل و دینِ ما مگوئید / خردمندان سخن بیجا مگوئید

کجا عقل و کجا دین و کجا من / من دیوانه را اینها مگوئید

[illegible] / بگوئید این حکایت یا مگوئید

[illegible] / عزیزان سرگذشتم وا مگوئید

چه هم آن آهی دل را ز فیضی / ز حالِ شیشه شما را مگوئید

۱۹۰ کو دل که ز تیغِ تو درو چاک نیفتد / یا سر که ز شمشیرِ تو بر خاک نیفتد

از کشتن ما بیگناهان باک نداری		بیدادگری همچو تو بی باک نیفتد
هرگز ز غمت سینه خراشانه ننالم		کز نالهٔ من رخنه در افلاک نیفتد
گلگشت چمن نیست گر از زهره برندی		گر نکهت گل مست و طربناک نیفتد

فیضی پی خوبان دل و دیده فتادی
دیوانه وش چون تو بادراک نیفتد

در کشور محبت غم سینه شاد باشد		جان نا امید تیره دل نامراد باشد
روز وداع گفتی از پی بیایت دیگر	۱۹۱	این اشک گرم رو را گر ایستاد باشد
گفتی بخواه از من کام دل که داری		ای وعده‌های دوشین شاید بیاد باشد
من با دل شکسته شبها بروز آرم		بر هر حرف خوبان گر اعتماد باشد

فیضی چو از طالع رنگ سفید روئی
شبهای عاشقان را کی بامداد باشد

بیچاره عاشقی که ز کف عقل و دین نهد		دل بر کرشمه‌های تو با ناز آفرین نهد
واواز کرشمه که تاراج عافیت	۱۹۲	هر دم ز شست قاعده بر زمین نهد
ما از کجا و خواب سحری که یاد او		اشکر بیستر خلوت نشین نهد

فیضی اسیر سلسله موی کسیست
زنجیر فتنه بر دل شیران دین نهد

دلم آن قدر شکایت ز جفای یار دارد		که زبان تیز آتش دل من فگار دارد
خط جاودانه زان لب به هزار فتنه سر زد	۱۹۳	چه بلا رسد رسانی که چنین بهار دارد
طلبم دل و بگیر ز خیال یار دارم		که به بیقراری دل بدلم قرار دارد

ز بلای عشق فیضی بکسی مبر شکایت
تو به عشق کار داری به تو عشق کار دارد

هر دم صید اگر آن کافر بیباک خواهد شد		سر شیران دین در حلقهٔ فتراک خواهد شد
ز استغنا و ناز این سست کمان نامهربان او	۱۹۴	تمناها بباد و آرزوها خاک خواهد شد

سلامت نیست در کوی محبت پای دامن را — که گر یوسف بود اینجا گریبان چاک خواهد شد

مریزید آب زمزم دوستان بر تربت فیضی
که این بدمست تردامن به آتش پاک خواهد شد

۱۹۵

عید آمد و بیکار نشستن که تواند — بی گرمی بازار نشستن که تواند

گل از سر دیوار چمن کرده تماشا — رو در پس دیوار نشستن که تواند

دیوانه و عاقل ره گلزار گرفتند — در خانه گرفتار نشستن که تواند

بر دوش سبو هم و در آغوش صراحی — امروز سبکبار نشستن که تواند

مستانه برون آمدم از صومعه فیضی
در پردهٔ پندار نشستن که تواند

۱۹۶

چه شد که چشمهٔ خورشید زرد میخیزد — ز صبح عیش نفسهای سرد میخیزد

هزار غوطه فلک را چنان دهیم هنوز — غبار زین صدف لاجورد میخیزد

اگر زمانه چنین تلخ بگذرد دانم — که خضر را دل ازین آب خورد میخیزد

شدیم خاک و لیکن ببوی صحبت ما — توان شناخت که زین خاک مرد میخیزد

بدشت رو که سرابیم همچو ریگ روان — هزار عاشق دیوانه گرد میخیزد

فسانه خوانی مجنون مگو که عرصهٔ عشق — چنین هزار بیابان نورد میخیزد

فتادگان رهِ عشق تجلیی دارند — مگر ز خاک شهید تو گرد میخیزد

توان شناخت ز انفاس فیضی آتش عشق
که فرد رفته ز کونین مست میخیزد

۱۹۷

کام ما با دیدهٔ ترکان رخست بوده میکنند — واه ازین ترکان که پیش صید بسمل میکنند

کعبه را ویران مکن ای عشق کانجا یک نفس — گه گهی واماندگان راه منزل میکنند

دوستان از کف ربوده دل و دم گو بالش زکف — بار حسنی بسته بر گردون حمایل میکنند

تیره شد گردون ز دود آه من که دریا گو مهران — سینهٔ زیبا به با آتش مقابل میکنند

تربت فیضی بخاک اصفهان گشتن بود ۱۹۰

بہ شہید عشق در ہائے ہوس گل میکنند

198

شب کہ چشم شوخ اوست و نگہ ہشیار بود — فتنہ در خواب گران و آرزو بیدار بود
در دیار فتنہ بہر جان فروشان نگاہ — از صف مژگان و جانب رستہ بازار بود
بسکہ گلچین شوق میرفت و گل افشان میرسید — از نگاہم تا بہ رخسارش ہمہ گلزار بود
شوق عاشق و تمنا با تمنا راز گوے — گر ادب خاموش بنشیند عشق در گفتار بود
با دل بصیر میدیدم لبوسیش دیر تر — گر نگاہ پائے ہوس پیش نظر افگار بود
ماند بے اندازہ حرف آرزو در دل گرہ — لب بہ شغل بوسہ گرم و زبان بیکار بود
بادۂ گلرنگ کز سرجوش خم قدحے کشید — آفتاب فتنہ گوئی بر سر دیوار بود
بسکہ یکتائی طلب میدیدم این بتخانہ را — تار زنار را نغمہ ناقوس در زنار بود

با ہمہ آتش زبانیہا کہ دارد در سخن
در اداے حال فیضی را نفس خاموش بود

199

کام بخشے در سخن بزم کہ جان مے بخشد — بگدایان خرابات جہان مے بخشد
من گدائے در آنم کہ بہ یک ساغر پیمانہ — عرصۂ ملک گران تا بحران مے بخشد
لب فرو بند ز فریاد کہ دست کرمش — گنج اقبال بدرویش نہان مے بخشد
بندۂ ساقی عشقم کہ نسیم نفسش — ناتوان شوق مرا آب و توان مے بخشد

عشق الحجاز نمائیست کہ مشتاقان را
بے زبان میکند و طے لسان مے بخشد

200

صبح ہست و بوئے گل شد ہوشیار میزند — مستانہ سر و شکستہ بہ دیوار میزند
پاے ہست البتہ اند بیاد رہوائے گل — باد سحر گہی در گلزار میزند
گوئی بروئے آتش گل گرم شد کہ ابر — آب بے تحشم نرگس بیمار میزند
اے من غلام مشرب ساقی کہ ساغرش — آتش بدیر و کعبہ بیکبار میزند
بے نشاط دریں نو بہار نیست — صوفی کہ بہ زمین سر و دستار میزند

فیضی مرا شکستہ دلیں ہو کہ کہاست

چون آتشین گلی که سر از خار میزند

۲۰۱ سحر که باد بهاری بباغ می‌پیچد / مرا هوای گلی در دماغ می‌پیچد
اگر نسیم صبا آستین فشان آمد / که غنچه باز بدامن چراغ می‌پیچد
بهار و عشرت و بر روزگار من رحمت / که خون بدیده دمی در ایاغ می‌پیچد
کدام تازه گل آتش بدل زدست که باز / مرا فتیلهٔ جان بهر داغ می‌پیچد
کسی که شور جنون تو در سرش پیچید / بساط عشرت و قطع فراغ می‌پیچد
بپیچ اینهمه در حرف بی‌ادب فیضی / که عندلیب تو با بانگ زاغ می‌پیچد

۲۰۲ قاتل من تا مژه بر هم نهاد / منت جان بر سر عالم نهاد
مرهم داغ دل من دیده دوش / داغ دگر بر سر مرهم نهاد
عشق برافراخت طربخانهٔ / لیک بنائش همه بر غم نهاد
دیدهٔ گریان مرا بین که عشق / آئینه در گوشهٔ ماتم نهاد
شد سر فیضی بره دوست خاک / پای درین ره چه محکم نهاد

۲۰۳ رندان گرم رو که ره دل گرفته‌اند / ناکرده قطع بادیه منزل گرفته‌اند
دل خون مکن چو صید خودش کرده‌ای خلق / شهباز را نه از پی بسمل گرفته‌اند
دعوی خون درست نباشد بروز حشر / زان کشتگان که دامن قاتل گرفته‌اند
فیضی منال از ستم چرخ کاهل فضل / پای سریر خسرو عادل گرفته‌اند

۲۰۴ دم صبوح ز لعل تو چون شراب چکد / خوی چنار بناگوش آفتاب چکد
بترس زانکه سحر چون ز خواب برخیزی / ترا شراب مرا خون بجام خواب چکد
تو باده باد گران خور که بر لب تو ستم / بس قطرهٔ خونی که از کباب چکد
کتاب عشق تو هر گه رقم کند فیضی

هزار نکتهٔ رنگیں ازاں کتاب چکید

عرق ازاں تنِ نازک در آفتاب چکید	۲۰۵	چو آں گلے که در آتش ازو گلاب چکید
بر آتشِ دلِ من آب زد چه انگیزند		گلاب شرمِ تو چوں از گلِ عناب چکید
کجاست شیشه که از دیده ام سرشک بریخت		کجاست باده که خونابه از کباب چکید
نگاهِ او چه بلا بود کس نمی داند		که خوں ز دامنِ مژگانِ شیخ و شاب چکید
خرابِ نغمهٔ آں مطربم که از کفِ او		مے بگوشِ من از کاسهٔ رباب چکید

مگر ز نازکیِ طبع زود رنجم فیضی
که خامه تر شد و از نوکِ خامه آب چکید

جهاں طاؤسِ آزادے ندارد	۲۰۶	که از لب دامِ صیادے ندارد
من آں را آدمی هرگز ندانم		که سودائے پری زادے ندارد
مکن بنیادِ بدخوئی که چنداں		بنائے حسن بنیادے ندارد

ازانم در وفا شاگردِ فیضی
که او جز عشق استادے ندارد

برآر قاصدِ شوق از بغل بروں کاغذ	۲۰۷	که دیده ام به رهت شد سفید چوں کاغذ
خطے بخونِ اسیرانِ هجر آوردی		وگرنه سینهٔ سیمیست لاله گوں کاغذ
فراق نامهٔ غم مے نویسم آں بهتر		که خوں بجگر هم و رنگیں کنم ز خوں کاغذ
نه محرمے که پیامے مرا برد بدروں		نه همدمے که بروں آرد از دروں کاغذ
بنامِ دل بنهادم که هیچ گم نکند		ز بیقراریِ دلهائے سرنگوں کاغذ
حدیثِ بلبل و گل گر توانم نوشت		اگر ز برگِ گلستاں شود فزوں کاغذ

بگفت سفینهٔ معنی در انجمن فیضی
فسوں گریست که داده پر از فسوں کاغذ

ساقیا گرم شو و ساغرے زود بیار	۲۰۸	مهرِ سرگرمیِ من آتشِ پرورده بیار
همتِ پست قدم چند ز بوهم دارد		آبِ فرعون بده آتشِ نمرود بیار

دمبدم باده ام از ساغر زرین ورده | تاج اقبال مرا لعل زر اندود بیار
حاجی بادیه پیما ز کجا مے آئی | خبرے داری اگر از رہ مقصود بیار

فیضی این بزم نشاط است لب شوق بگشا
از سخن زمزمهاے طرب آلود بیار

۲۰۹
اے کوکبۂ حسن تو با ماه برابر | از من ز تو تا ماه فلک راه برابر
خورشید من از عاشق خود روے مگردان | در راه چو آیم بتو ناگاه برابر
بر روئے چو روز تو شب زلف بجولان | گر کم شود و گاه فزون گاه برابر
در عشق مپرس از شجر طور که آمد | صد کوه دریں بادیه با کاه برابر
گفتی ز جنون تو و مجنون چه تفاوت | رسوائے توام خواه کم و خواه برابر

فیضی مرو از در مسجد که نباشد
صد غلغل تسبیح بیک آه برابر

۲۱۰
اے دل از جان من نزدیک تر | دے بجائے دل ز تن نزدیک تر
امشب اے گل پیرهن خواهم شوم | با تنت از پیرهن نزدیک تر
هر نفس جان تو هم بخشی اگر | در سخن آری دهن نزدیک تر
حال خود گویم که باشد بدل | حرف عشق از هر سخن نزدیک تر

فیضی از کوے تو دور افتاده اند
در سفر از وطن نزدیک تر

۲۱۱
اے به سمند فتنه عنان را نگاهدار | تیر نگه بس است کمان را نگاهدار
سلطان ملک دل توئی امروز در جهان | از دست برد فتنه جهان را نگاهدار
در شهر کشتگان ترا با تو کارهاست | جان داده مے روند نشان را نگاهدار
ما مست جرعه ایم که مے افگند بخاک | گوهر غیر رطل گران را نگاهدار
اے دیده اشک حسرت خوبان غم مریز | دے دل تو تیر آه و فغان را نگاهدار

فیضی چو شمع آتش دل بر زبان منه

سرسبو و باد زبان را نگهدار

٢١٢

باده در جوش است و رندان منتظر — ساقیا خذ ما صفا دع ما کدر
در خرابات مغان بگذر که نیست — بی صراحی چشمه هر ساقی خضر
بندهٔ ساقی شوم کز یک قدح — منکران عشق را سازد مقر
عشق نتوانست پوشیدن ز غیر — شد از آن مجنون بعالم مشتهر

جام می خواهی بگو فیضی مدام
همچو حافظ ایها الساقی ادر

٢١٣

ما ز آفتاب رویان وا سوختیم آخر — وین چشم باز مانده بر دوختیم آخر
دکان آرزو را چیدیم بر سر غم — چندین متاع حسرت افروختیم آخر
داغ جنون بتارک افتیم در بیابان — از سر چراغ مجنون افروختیم آخر

فیضی ز عشق خوبان جز سوز دل چه حاصل
تا چند آه و حسرت خود سوختیم آخر

٢١٤

بازم رسید عشق و زجا رفت پای صبر — جائی که شوق جلوه نماید چه جای صبر
یک موج حسن عشق برابر کند بخاک — از آسمان اگر گذرانی بنای صبر
در عشق گر صبور نباشم ز من مرنج — جائی دگر دلی دگر است از برای صبر
ای دیده خون ببار که گلهای آرزو — رنگی ندیده اند در آب و هوای صبر
کو صبر بی حجاب درآ تا بیک نگاه — صد ملک اضطراب دهیم در بهای صبر

فیضی تو عاشقی بشکیبائیت چه کار
نا آشنای عشق بود آشنای صبر

٢١٥

ای فتنه لب چشمهٔ حیوان رسیده گیر — آب خضر ز دست مسیحا کشیده گیر
چون از بهار بوی وفائی نمی رسد — باد خزان بگلشن عالم وزیده گیر
از همدمی مرده دلان فسرده دل — ای آفتاب صبح قیامت دمیده گیر
چشم هوس بدوز ز نظارهٔ بتان — خونابها ز دامن مژگان چکیده گیر

فیضی به شد دیده ز نقش و نگار دهر
هر صورتی که خوش تر از آن نیست دیده گیر

٢١٦
پا براه عشق سودم گرم رفتارم هنوز — با وجود کوه کوه غم سبکبارم هنوز
عالم سرشار وصل و من همان خونابه ریز — دیگران برخورده و من تخم میکارم هنوز
میخورم صد زخم نیش او مجال آه نیست — جان بلب می‌آید و دم بر نمی‌آرم هنوز
غمزه در کار من کردی و گشتم نیم کش — ساقیا پیمانهٔ دیگر که هشیارم هنوز

گرچه فیضی خواست عذر شکوه‌های تاگسل
ریزهٔ الماس می‌بارد ز گفتارم هنوز

٢١٧
ما شهیدان پاک‌دامان را نشوید هیچکس — کشتهٔ عشقیم غسل ما بآب تیغ بس
من کدورت اغیار باشم مرا معذور دار — بلبل شوریده دارد آشیان از خار و خس
چون دلم کردی اسیر خود ازو غافل مباش — صید چون از دست شد هرگز نیاید باز پس

فیضی از گرمی بازار حریفان نیستیم
زانکه سودا راست تاینهٔ عشق را با بوالهوس

٢١٨
نشان راه بیابان عشق هان بشناس — که هست ریگ روانش ز ریزهٔ الماس
زهی شگرفت بیابان که پی گم است اورا — هزار قافلهٔ عقل و کاروان قیاس
کسی که سر کند این دشت غیر مجنون نیست — که پای عقل درین راه میکند آماس
گذار قافله محمل گرفته هوس سفر است — که خیر رفته درین ره کسی ندارد پاس
بپند ظرف بشد ازین رهروان قافله کش — که میکشند نخست از تن خیال لباس

من و یکتا و دو این راه پرخطر فیضی
اگرچه زهرهٔ من آب شود نه هراس

٢١٩
بطره بین شده همسایه بنا گوشش — ز لیس گرانی دلها نهاده بر دوشش
بوعده‌های وفا کرد شاد می‌ترسم — که کو کسیست هیا ها شود فراموشش
اگر دانشنامه ملائکش بکلمه سید — درین زمان که شدن کرده مدهوشش

ترا چه ذوق ز خون تا بجگر فیضی
قدح قدح بکشی گر چو من ز سر جوشش

بخواب رفته نه بیند چشم فتانش	۲۲۰	که زیر سر مژه باشد نگاه پنهانش
ز فرق کرده قدم رو بعالمے گذرم		که کعبه ذره ریگ است از بیابانش

حدیث فیضی بیدل بجان که اهل نظر
ز خون دیده رقم کرده اند دیوانش

حذر کنید ز خونریز چشم فتانش	۲۲۱	که کرده اند سیه تاب تیغ مژگانش
چنین که برزده دامن سوار مے گذرد		چگونه دست اسیران رسد بدامانش
بحشر باز سر قتل عالمے دارد		مگر هجوم قیامت کند پشیمانش
نشان گرم روان جسم چه مے پرسی		که غیر ریگ روان نیست در بیابانش
فغان که رحم نیارد ز تلخ کامی من		فرنگیے که شکر ریزد از نمکدانش

بعشق تنگ قبایان ملامت فیضی
بآن رسید که دامن شود گریبانش

آنکه پرهاے ملائک شده پا اندازش	۲۲۲	کے تواں یافت بهر خاک نشین دمسازش
بر سر تربت ما ناله و فریاد مکن		کشته آن نیست که برخیزد ز آوازش
دار وا ز عاشق دیوانه خود عشوه دریغ		تا نه بینے که در آفاق نگنجد رازش
من دل خون شده از غیر نهان میدارم		چکنم وائے اگر دیده شود غمازش
گرچه این گریه خونین بشب انداخته ام		عاشق آن نیست که بروز سفید اندازش

فیضی از دیدن رعنا صنمان رسوا شد
کاش دوزند دگر دیده مشتاق بازش

کشته آن نرگس پرخوابم که بے پروا کشش	۲۲۳	صید را تا بر سر آید جان نخواهد بسملش
اے چو خورشید قیامت وه که عالمگیر شد		آتشین روئے که صید یکدم تیغ تغافلش
ریختی خون من و برداشتی باز سم ز خاک		زنده آن صیدے که بر فتراک بندد قاتلش

اوّل عشقست و مے سوزد دل بیتابیم — وائے دریائے که آتش بوده باشد ساحلش
از جمال کعبه گر محروم ماندم دور نیست — گرم رفتارے که آسایش بود در منزلش

حل نشد اسرار فیضی از نگاه گرم او
نکته آں غمزه میخواهم کشاید مشکلش

٢٢٤
گلے که خانه بود در رشک گلشن از ربویش — به بند در که صبا وا برد از رہ بویش
کدام گلشن و کو گلستاں که صد فردوس — فدائے لاله رخسار و سنبل مویش
بباده لوحی آں ترک گرم خوں بازم — که نیست چیں بجبیں و گره در ابرویش
سیاه چشمی خورشید روئے من نگرید — که چوں سپید شده از آفتاب آهویش
بیک زباں چه نوایم چنیں که گفته سراست — بصد هزار زباں ابروئے سخن گویش
نه بسته نقش ز حسن آفریں بصورت او — ز چشم زخم بداں دور روئے نیکویش

کجاست سحر نگارے که شعر فیضی را
نویسد از پے تعویذ دست و بازویش

٢٢٥
چنیں که درد ه در خواب سحر گذشت شبابش — اگر باد صبا بیدار سازد از شکر خوابش
امید ما کنارے نیست پیدا زیں چه میخواهم — بشویم دست ازیں دریا و گوهر هائے نایابش
من و غواصی بحر محبت گرچه میدانم — حبابے هم نیاید در تماشا بیروں سر ز گردابش
مرا ناگه گذر افتاد در بزم قدح نوشے — که دارد روئے خوں مے پرستاں باده نابش

قبول نظم فیضی ایں قدر دانم که در مجلس
ز بهر گرمی هنگامه میخوانند احبابش

٢٢٦
خوشا اشارت پنهانی در بزم خاص الخاص — هوس پیاله کش و شوق از زور قاص
ز بزم عشرت ما غافل اند بو الهوساں — عوام را نبود ره به پیشگاه خواص
بجرم آنکه ز دولت مدد کشد بو تقصیر — که چوں شکوه نباشد ز چهره اخلاص

ز دل فیضی ندیده ام ظلم
که دام کینه بود و هم محیط و هم غواص

۲۲۷

کو بخت کز شکنجهٔ گردون شوم خلاص
و ز پای بند عقل چه مجنون شوم خلاص
ای پندگو بعشق ز افسانه ام چه سود
من زین بلا عجب که بافسون شوم خلاص
خونابه می‌چکانم از دیده دمبدم
وه چون کنم که زین دل پرخون شوم خلاص

فیضی من آن نیم که ز غمهای روزگار
از صوت چنگ و نغمهٔ قانون شوم خلاص

۲۲۸

به بند دیده که در چشم عاشق مرتاض
حجاب ظلمت و نور است این سواد و بیاض
نظر بنقطهٔ دل کن که هیچ نگشاید
ز فلسفی و خیال جواهر و اعراض
بدردهای محبت صبور باش و خیال
که از مسیح نیاید علاج این امراض
سموم پرور عشقم ز بوستان فارغ
سر مرا چه بود برگ رنگ و بوی ریاض

بهر صحیفه که دیدیم شعر فیضی را
نوشته اند بعنوان او هو الفیاض

۲۲۹

قبله را روی صفا سوی تو فرض
کعبه را سجدهٔ ابروی تو فرض
پی در کعبه مسلمانان را
نیست جز طاعت هندوی تو فرض
همگی ریختن خون کسان
همه بر گردن بازوی تو فرض

سر طاعت بزمین فیضی را
در طواف حرم کوی تو فرض

۲۳۰

بازیچه‌ایست بازی رندان این بساط
گر بسته‌ایم چشم ز رندان بهرهٔ نشاط
چندین هزار کاسهٔ سر ذره ذره شد
در سنگلاخ عشق قدم نه باحتیاط
بردار صفحهٔ دل خود کی عاقبت
چو قصر پا سپهر بفکند از ارتباط
بگشای تنگنای جهان محمل امید
دانا بساخت برگ اقامت درین رباط

فیضی تو پاک باز که از بازی قضا
منصوبهٔ عجیب نشسته درین بساط

۲۳۱

ای دل بر آر شهپر شوق و گذار خط
نقش محبت است نوشتن بیار خط

پرواز اهل شوق ببازوی همت است
من با وصال دست در آغوش همدم
یا یاد او ز نامه و پیغام فارغیم
بی مژده وصال تسلی چه صورت است

بر بال مرغ بست نشاید بکار خط
بر گردن وفا نکند بنده وار خط
ای نامه بر ز یار بسوییم بسیار خط
قاصد ز یار اگر برساند هزار خط

فیضی نگارهٔ سخن که ز خونابهٔ جگر
کلکم کشیده بر ورق نوبهار خط

٢٣٢

گر تراش خط از گرد روی او است غلط
ز سر حال لب او کسی شود آگاه
هوا که جلوهٔ فاش داشت عنقا شد
بنام او ز خود ساختیم کار نهان

که نیست سبزه مرا احتیاج سبزهٔ خط
که بهره مند بود از رموز علم نقط
دریغ خون کبوتر بخون نشستیم ز کبط
مراد دل نتوان یافتن بهیچ نمط

نوای کلک تو فیضی به بزم خسرو شد
به از ترانهٔ چنگ است و نغمهٔ بربط

٢٣٣

چو روی ساده نباشد ز جام باده چه حظ
گرفته هم آن لب لعل جانفزا نشد
ز دل اگر نگشاید گره گل اندامی
اگر نه از لب ساقی هوس بکام رسد

ز باده گر نبود نشئه روی ساده چه حظ
اگر نمیکشی از دست حورزاده چه حظ
چو غنچه صد گره زر تراشیده چه حظ
حریف را ز قدح لب بلب نهاده چه حظ

بدست دامن گل گر نیاید فیضی
چو خار بر سر راه چمن فتاده چه حظ

٢٣٤

ای دل از سیم‌بران چند کنی کام طمع
وصل اگر مطلبی یار به پر از همت خواست
یار جست دل از آن زلف دلاویز خطا
ز غم دوری او بود نهر است حکمتی
هر که از لب لعل تو چشم عنایت دارد

نتوان بود چنین بوالهوس و خام طمع
تا کی از دوست کنی نامه و پیغام طمع
بهوای مرغ که کند دانه ازین دام طمع
نقل ازین خوان هوس و باده ازین جام طمع
نور بینش کند از دیده بادام طمع

زاہد گوشہ نشین گر ہمہ مستغنی بود | | دیدم آغاز ریا دارد و کباب ام طمع

فیضی از دورِ فلک ساز بجو تا بہ عدم
جامِ عشرت مکن از گردشِ ایام طمع

روز ہجران ز آتش دل می نہم بر سینہ داغ | ۲۳۵ | بسکہ روزم شد سیاہ در روز می سوزم چراغ
در طریقِ آرزو صد خار در پایم شکست | | رو تو اے آسودہ دل از من نیاید گشتِ باغ
کنجِ تنہائی بہشتِ ماست اے ہمدم بگو | | تنگ می سازد دلِ ما را ہوائے باغ و راغ
گامِ اول پائے وند زنجیر باشد ہمچو من | | ہر کرا بادِ بہارِ عشق پیچید در دماغ

از دلِ من گر توانی گرد فیضی جست و جو
صد بیابان راہ زان سوئے عدم دارم سراغ

زہے بزیرِ لبت صد ہزار حرفِ شگرف | ۲۳۶ | لطافتِ لبِ لعلت نمود جوہرِ حرف
عجب کہ زندہ دلان از حیات نشمارند | | دو روزہ عمر کہ در عاشقی نگردد صرف
اگر گداختہ گردد فلک ز آتشِ آہ | | بچشمِ مردمِ افسردہ دل نماید برف

مگو ز سنگدلی ہا سے بکشتن فیضی
کہ ہمچو محتسب چشمِ شکن شود بی ظرف

پاکبازان بر بساطِ عاشقی بستند صف | ۲۳۷ | زان میان من مہرہ را رائگان دادم ز کف
نیست جز در دیدۂ دریا دلان اشکِ بتان | | این چنین گوہر نمی آید برون از ہر صدف
با ہزاران جان بود ارزندہ در بازارِ عشق | | نقدِ عمرِ من کہ در سودائے خوبان شد تلف
طفلِ اشکم رازِ پنہانِ مرا کرد آشکار | | تا قیامت رسوائے عالم شود زین نا خلف
چشمِ من چون استخوان شد در رہِ خوبان سفید | | تا نگہ روزے سگے پیچیدہ [illegible] ہدف

[illegible] فیضی با ہم [illegible] استند [illegible]
عاشق در بند نظر باز ہم [illegible] ظرف

برکن دل از کتاب و منہ چشم بر ورق | ۲۳۸ | تا چند در میانہ چو دیوار ہر ورق
کے از شگافِ نامہ کشاید درِ حضور | | از تیغِ عشق پردۂ دل را نکردہ شق

هر سطر را گمان رهِ راست کرده		کج رفته مرو که نه این ست راهِ حق
پیوسته گرم جنگ و جدل بهمت دلے		نبود نتیجهٔ تو ز گرمی بجز عرق
دائم دلِ تو چشم نپوشد ازین رقم		تا خود ز نیم جانِ تو باقی ست یک رمق
	فیضی ز من نگارش حرف و نقط مپرس	
	کز هر که ساده لوح بود برده ام سبق	
کس نیست در جهان که نگردد زبونِ عشق	۲۳۹	زنجیرِ چرخ می گسلاند جنونِ عشق
مجنوں شود به بیں که فردوں تر نهاده اند		از ذره هائے ریگ بیابان فنونِ عشق
دل غرق خون و لب بشکر خنده برق ریز		از من مپرس حالِ درون و برونِ عشق
کوته نظر مبیں که فلک بے ستوں بپاست		کین خانه را مدار بود بر ستونِ عشق
	بس را چه احتیاج که از دستِ آرزو	
	فیضی زبون دل شده و دل شد زبونِ عشق	
ستم و کشمکش طبع و دل عربده ناک	۲۴۰	گه گریبانِ فلک در کف و گه دامنِ خاک
بر رخِ سامعه ام داغِ ملامت زیور		بر لبِ ذائقه ام زهر هلاهل تریاک
نه دریں جلوه گهم رخش امل در جولاں		نه دریں صید گهم صید طرب در فتراک
من چنیں کاسهٔ خاشاک صفت از غل و دل		ور دلم شکوه چو آتش که فتد در خاشاک
	فیضی از پیرِ مغاں فیض طلب گر خواهی	
	گرد اندوهِ ابد پاک برد از ادراک	
اے قدت نازک و میانِ نازک	۲۴۱	نکهت تیز ها چنان نازک
شود آزرده در سخن گفتن		بسکه آمد ترا زبان نازک
در تبسم شود لبت رنجه		که بود جوهرش چو جان نازک
پیش چشمت نے کنم فریاد		که بود طبع ناتوان نازک
عمرها شد که عاشقِ اویم		دل همان سخت و او همان نازک
تیز نتوان بسوئے او دیدن		بس که شد خوئے آں جواں نازک

زہے ز تیغ نگاہت جہاں جہاں مقتول		اجل نکردہ ز فرمان غمزۂ تو عدول
چہ فتنۂ تو کہ در دور غمزۂ تو شدند	٢٤٢	موکلان قیامت ز کار خود معزول
دعی چشم روح فریب ترا چہ استغناست		کہ جان خضر و مسیحا نمی‌کنند قبول
چہ احتیاج بنامحرمان عشق کہ نیست		میان عاشق و معشوق غیر شوق رسول

کجاست روئے خلاصی ز دست فیضی را
کہ بستہ پائے دل او بطرۂ مقتول

اے ز خوبان جفا جو در ستمگاری مثل		فتنہ جویان را جفاہائے تو دستور العمل
بہر غارت کردن دین و دل و ہوش و خرد	٢٤٣	عشوہایت بے عدیل و غمزہایت بے بدل
ہر زبان عشق تو مے خیزد بیغمائے دلم		ملک عشق ست این نباشد ہیچ وقتے بے خلل
چیست جادو اے صنم چندیں سیہ چشمی مگر		نسخہ ہائے سامری چشم تو دارد در بغل

گرچہ فیضی از جہان طومار ہستی در نوشت
حسب حال عشقبازاں ماند دیوان غزل

تا گرفتی بدل و جان منزل		دل ز جان رشک برد جان از دل
عشق دلخواہ و ملامت جانکاہ	٢٤٤	مرگ آسان جدائی مشکل
جان من اینہمہ نادانی چیست		درد دلم باشی و از دل غافل
درگرفت آتش حسن تو بدن		تو چہ شمعی کہ بسوزی محفل

نیم جان ماند ز غم فیضی را
ماندہ از زندگی خویش خجل

عمریست کہ در شکست این دل		پیرہ زنی غم شکست این دل
بر خاک دل مرا بیفگن	٢٤٥	کآئینۂ روشن است این دل
بر سنگ چہ مے زنی دل من		بگذار نہ آہن است این دل
گلشن چہ کنند کہ آتش عشق		دیوانہ گلخن است این دل
اے دوست ز دل مباش ایمن		ہشدار کہ دشمن است این دل

فیضی حدیث ما ز خراباتیان بپرس
کز مفلسی بمیکده دیوان فروختیم

۲۷۴
وقت است کز خزانهٔ دنیا برون رویم — زین دیر زنده همچو مسیحا برون رویم
بر باد سدره باز فشانیم بال شوق — زین دامگاه قفس چو عنقا برون رویم
زندان مرد و زن بود این تیره خاکدان — زین شهربند آدم و حوا برون رویم
چون آمدیم از همه تنها درین رباط — هم وقت رفتن از همه تنها برون رویم

فیضی سلوک عشق محال است ازین قدم
کو توسنی که بی مدد پا برون رویم

۲۷۵
بیا که دامن ساقی بهشت خو گیریم — مگر کلاه قدح از سر سبو گیریم
حذر کنیم ز تردامنی لاله رخان — پیاله بر رخ گلهای تازه رو گیریم
بگرد خیال نگاهی نسیم صبر ز دور — چو بلبلان چمن خو برنگ و بو گیریم
شمیم مجلس ما می رود بهشت بهشت — ره نسیم سحر از کدام سو گیریم

بهار فیضی چو آمد بدر بیا فیضی
بشعر تر همه آفاق را فرو گیریم

۲۷۶
ز چشم خواب بند [illegible] را بیدار می بینیم — بلا معزول می باشم اجل بیکار می بینیم
شده همچو تماشا بخش گو جلوه کمتر کن — قیامت گر مشتاقیم که من دیدار می بینیم
ز بیداری جهان شد [illegible] برعالم — که دیگر خضر را از عمر خود بیزار می بینیم
[illegible] — کسی [illegible] بیرون از در و دیوار می بینیم
مگر بر شاخ گلها [illegible] بلبل — که چون منصور آن سرمست را بر دار می بینیم
سبو خالی شد و افتاد دست از کار ساقی را — هنوز آن مست را در کار خود هشیار می بینیم
مرا در پیش [illegible] — گره از ایمان گره در رشته زنار می بینیم
[illegible] — قیامت [illegible] می بینیم

[illegible] فیضی [illegible]
[illegible]

در کمین گاه عشق باخته سر — فارغ از بیم درد سر ماییم
خرده منگر طلسم هستی ما — کآتش عشق را شرر ماییم
نیست ما را سری بساغر می — مست پیمانهٔ نظر ماییم
گرچه داریم کنج تنهائی — محشر عشق را حشر ماییم
تیرباران عشق بر دل ماست — تا دل فتنه را سپر ماییم

فیضی از جام عشق بیخبریم
تا درین انجمن اگر ماییم

۲۵۰
قصد من بی اجل میکرد بازش داشتم — نیم جانی از برای نیم نازش داشتم
هجر غافل کرد جانم برد از کف ورنه من — چشم قتل از غمزهٔ عاشق نوازش داشتم
وقت جان دادن ببستم چشم تا فردای حشر — بر امید وعدهٔ دیدار بازش داشتم
از زبان بندی چشم او نگفتم پیش کس — داستانها کز زبان سحرسازش داشتم
وه چه دانستم که رسوای جهان سازد مرا — دل که عمری شد بخلوتگاه رازش داشتم
گوهر دل نازنینان را نمی افتد قبول — ورنه من صد بار در راه نیازش داشتم

داشتم فیضی دل خود بستهٔ نخل قدش
در میان عشقبازان سرفرازش داشتم

۲۵۱
متاز گرم که دنبال توسنت گیرم — بجای گوشهٔ فتراک دامنت گیرم
هزار بار بپیش سر گردم و نبود رهم — کناره از نظر مردم انگشت گیرم
بجرم عشق اگر سوی دوزخم سپرد — در آتش افتم و خود را بدامنت گیرم

اگر به تیره دلان همنفس شوی فیضی
نفس ز آتش طبع بپیشت گیرم

۲۵۲
دکان عشق فرو چیده گرم بازارم — سمور و اطلس پادشاه خود ندارم
درست سینه پر از [illegible] شاه — [illegible] گران بیکبارم
نشانه‌ایست دل و دین بسته‌ام به نیم نگاه — بکنج خانهٔ کس که راست گفتارم

به آفتاب جمالم مخوان که ذره صفت   ستاره سوخته آفتاب خود دارم
ترا که گوهر دل داده‌ام به نیم نگاه   اگر مضایقه در دین کنم گنهگارم
ز فرق تا بقدم موبموی من عشقیست   گمان مبر که درین خانه نقش دیوارم

بود جواهر اخلاص در دلم فیضی
که داد این همه سرمایه که من دارم

۲۵۳

تو در بهار حسنی و صد خار در دلم   گل بر سرت گران و سبک کوه بر دلم
دل کامجوی و دیده نظر باز چون کنم   سر تا بپای دیده‌ام و سربسر دلم
بوی جگر همی شنوم از کباب دل   آغشته کرد عشق بخون جگر دلم
شبها ز بسکه یاد تو دارم در آتشم   چون آفتاب شعله زند هر سحر دلم

آسان نمیتوان دل فیضی ز دست برد
عشق است کوه آتش و درد دگر دلم

۲۵۴

گریه‌ها کردیم و آتشها به آه افروختیم   آه ازین طالع که در دریای آتش سوختیم
نیم جان دادیم و نگرفتیم نقد آرزو   گرچه ما هرگز متاع خود گران نفروختیم
[illegible] چون ساده آمد لوح ما از حرف عقل   کرد عشق او فراموش آنچه ما آموختیم

بود فیضی پیش ما جان و دل و صبر و خرد
عاقبت تاراج غم شد آنچه ما اندوختیم

۲۵۵

منم که [illegible] اخگر گرم خو یابم   ستاره سوخته آفتاب رو یابم
ز نیکوان نرسد غیر نیکوئی هرگز   همین منم که بحال بد از نکو یابم
قدم بسر سپرده‌ام براه طلب   بصد هزار تعب راه وصل او یابم
[illegible] نیاز   نوای بهار کرامت دگر رو یابم
[illegible] ساقی کو پیر مغان   که چون بدور تو من از تهی سبو یابم

[illegible] فیضی
[illegible] سخن نکو یابم

هر شب که در هوای تو مستانه سوختیم	۲۵۶	صد شمع را در آتش پروانه سوختیم
زان باده که داد مرا ساقیِ ازل		آتش شدیم و ساغر و پیمانه سوختیم
این چشم باز مانده نشد گرم گرچه ما		عمری دماغ بر سر افسانه سوختیم
می‌خیزد از درونهٔ ما آهِ خانه‌سوز		همسایه‌ها کناره که ما خانه سوختیم

فیضی دمی که گرم سخن شد زبانِ ما
از حرفِ آشنا دلِ بیگانه سوختیم

ده که محروم از طوافِ کعبهٔ جان می‌رویم	۲۵۷	تشنه لب از ساحلِ دریای عمان می‌رویم
بر لبِ دریا بصد فریاد و افغان آمدیم		باز چون دریا بصد فریاد و افغان می‌رویم
یا رسول الله بخوان ما را بسوی خود که ما		روضه‌ات نادیده سوی بیتِ احزان می‌رویم
چشمهٔ شیرین تو و ما شوربختان از تو دور		شربتی فرما که با تلخیِ هجران می‌رویم

فیضی از ظاهرپرستانِ ارادت نیستیم
ما بطوفِ کوی او از راهِ پنهان می‌رویم

می‌سوزم و بگریه شبی روز می‌کنم	۲۵۸	چون شمع گریه‌های گلوسوز می‌کنم
هر موی بیم بر تنِ من تیغ می‌شود		چون یادِ آن خدنگِ جگردوز می‌کنم
گر دیده می‌نگرم بر رخت مرنج		خود را بدوریِ تو بدآموز می‌کنم
بر من هر آنچه می‌رسد از عشق گو برس		من ترکِ عقلِ عافیت‌اندوز می‌کنم

فیضی چنین که دودِ دلم می‌زند علم
خورشید را ببین که سیه‌روز می‌کنم

چون سخن در دهنِ زلفِ مسلسل گویم	۲۵۹	سخن مختصر و درس مطول گویم
شبی از روزِ قیامت طلبم افزون تر		از پریشانیِ زلفِ تو مفصل گویم
چون رسد قصهٔ شوقِ تو بآخر شبِ وصل		خواهم از شوق که آن قصه ز اول گویم
ناصحا چند بمن حرفِ نصیحت گوئی		غرض این است که من هم بتو مهمل گویم

فیضی از تیغ دو [illegible] است

تا بکے نکتۂ توحید باحول گوییم

ما چو خورشید در جہاں فردیم	۲۶۰	در ہمہ دور دور مے گردیم
تا بخورشید عشق سرگرمیم		از ہوائے بہشتِ دل سردیم
نیست جز ذوقِ عشق و لذتِ درد		در جہاں آنچہ با خود آوردیم
نیست ما را سرے بصحبتِ کس		ہمدمِ عشق و محرمِ دردیم

فیضی ایں آہ و نالۂ جاں سوز
گر نبے بود ما چہ میکردیم

بہار آمد چنیں تنہا نباشیم	۲۶۱	گر او بے ماست ما بے او نباشیم
سوادِ شہرِ دلہا را سیہ کرد		چرا چوں سبزہ در صحرا نباشیم
بہر جا ساقیٔ گل چہرہ باشد		روا باشد کہ ما آنجا نباشیم
ز دنیا کام بستانیم ہر دم		مگر آں دم کہ در دنیا نباشیم
تو اے پیماں شکن امشب بما باش		کہ ما باشیم فردا یا نباشیم

چو بازارِ نظر گرم است فیضی
ہماں بہتر کہ در سودا نباشیم

ما آتشِ درونہ بہفت آب شستہ ایم	۲۶۲	دیں نقشِ بیقرار چو سیماب کشتہ ایم
دزدِ طمع بدشنۂ جلاد دادہ ایم		گاوِ ہوس بخنجرِ قصاب کشتہ ایم
ما رہروانِ قافلۂ پروازِ عقلیتیم		بس کاروانِ فتنہ کہ در خواب کشتہ ایم
اعدا بخونِ ما کمرے بستہ اند و ما		خود را بہ تیغِ غمزۂ سیراب کشتہ ایم

فیضی ز کیمیائے قناعت بگنجِ فقر
در بوتۂ گداز زرِ ناب کشتہ ایم

ساقی بدہ میکدہ بیتاب نشستیم	۲۶۳	تو موج کہ ما در رہِ سیلاب نشستیم
خشتے بنہید بر جگرِ ما		ہر چند دریں دشت جگر تاب نشستیم
دیدیم کہ از سیر و قاسم تمام است		در آتشِ تفتیدہ چو سیماب نشستیم

گر دیر بر آئیم ز گرداب مپندیش دیدیم که از کعبه بجائے نرسیدیم		کاندر طلب گوهر نایاب نشستیم رو سوئے بت و پشت بمحراب نشستیم
	فیضی بره دیر مغاں خاک نشیں باش انگار که بر مسند داراب نشستیم	
امروز بتیره تر از روز دیگرم گو آفتاب نور میفشاں بمحفلم مرهم نهم کدام جراحت شوم که چرخ	۲۶۴	با سینهٔ پر آبله از سوز دیگرم کاتش نشیں ز انجمن افروز دیگرم هر دم زند خدنگ جگر دوز دیگرم
	فیضی ستاره سوخته همچو من کجاست از روز من مپرس که بد روز دیگرم	
ما نیم جاں دراں خم گیسو گداختیم جاں ذره ذره بر سر کویش بباد رفت بستیم محمل هوس از منزل مراد بردیم بار دل ز سر کوئے آرزو بردیم پیچ و تاب تمنا جهاں جهاں ساماں چنیں نه داده و صبوری چنیں دهد	۲۶۵	صد آرزو بهر شکن مو گداختیم دل پاره پاره بود بهر سو گداختیم سیلاب دیده تا سر زانو گداختیم شوقے بصد هزار تگاپو گداختیم صد گونه صبر در گره او گداختیم کارے که بر امید تو بدخو گداختیم
	فیضی حدیث ما ز نگاران هند مپرس کیں کارگاه سحر بجادو گداختیم	
خواهم لب ازیں آه جگر خوار ببندم گر گردش چشم ایں بود آں سلسله مو را آں روز که در خانهٔ من جلوه نمائی خوں گریم ازیں بخت که هر کس بگلستاں	۲۶۶	وز پارهٔ دل دیدهٔ بیدار ببندم ناقوس بجنبانم و زنار ببندم صد پردهٔ دل بر در و دیوار ببندم گلدستهٔ تر بندد و من خار ببندم
	فیضی نه منم و پیرهن صومعه در عشق مردانه کمر به که درین کار ببندم	

خواهم بغیرِ عشق شمارے دگر کنم	۲۶۷	راهے دگر بگیرم و کارے دگر کنم
لب نارسیده از تفِ این ناله سوختیم		بدمستئ بفکرِ خمارِ دگر کنم
از کوئے عشق راه بجائے نمی رسد		دیگر گذار راهِ گذارِ دگر کنم

فیضی چو درد سر رسد از ساقیان بزم
خود را حریف باده گسارے دگر کنم

ما شیشه بفرقِ دلِ بیتاب شکستیم	۲۶۸	الماس بزیرِ قدمِ خواب شکستیم
هم کعبه و هم بتکده سنگِ رهِ ما بود		رفتیم و صنم بر سرِ محراب شکستیم
از ساحلِ مقصود نه دیدیم نشانے		صد کشتئ اندیشه بگرداب شکستیم

نقدِ دلِ فیضی چو مه و مهر روان است
ما قلبِ سیه بر سرِ قلاب شکستیم

دوش بنگاه سرخوشی زلفِ تو باز یافتیم	۲۶۹	فتنهٔ روزگار را رشته دراز یافتیم
دردِ دگر بجانِ من بر سرِ درد شد فزود		بس که طبیبِ عشق را خسته نواز یافتیم
خیز و کمیت باده را گرم کن ای جوان که من		ابلقِ صبح و شام را در تگ و تاز یافتیم
نورِ خدائے در دلم تافت ز طلعتِ بتان		سرِ حقیقت از رهِ عشقِ مجاز یافتیم
طالعِ من نگر که چون شبِ زلفِ دلبران		گوهرِ شب چراغِ دل گم شد و باز یافتیم

فیضی بینوا اگر شد نغمه سرائے قدسیان
هر دمش از نے قلم زمزمه ساز یافتیم

بے تو اے ماه چه سازم چه کنم	۲۷۰	چه کنم آه چه سازم چه کنم
بختِ برگشتهٔ من از عمر ملول		هجرِ جانکاه چه سازم چه کنم
دوست مستغنی و دشمن غالب		وصلِ دلخواه چه سازم چه کنم
آه نادیده رخش گر برسد		مرگِ ناگاه چه سازم چه کنم
کنگرِ وصل بلند است بلند		من درین راه چه سازم چه کنم
سفرِ عشق خطرها دارد		دستِ کوتاه چه سازم چه کنم

فیضی از سوختن من دلدار
نیست آگاه چه سازم چه کنم

۲۷۱

بر غم شحنه بیا تا همه شراب خوریم
وگر ستیزه کند خون او چو آب خوریم

گلاب عشق بیفشان بجیب غیر که ما
مے ستیزه ز پیمانهٔ عتاب خوریم

ز عشق سلسله مویان نصیب ما اینست
که از کشاکش امید پیچ و تاب خوریم

فراق میکند امشب ستیزه صبح کجاست
که از سفال فلک خون آفتاب خوریم

ز بیم شحنه گذشت آنکه ما شراب خوریم
مگر مے از کف نوشین لبان چو آب خوریم

سبو کشان همه بدمست و محتسب ما را
بباده گیرد اگر از پیاله آب خوریم

دم صبوح تف مے اگر بما نه رسد
سفیدهٔ سحر و نور آفتاب خوریم

صلاح کار بود در نهاد ما فیضی
اگر مے است که بر نیت ثواب خوریم

۲۷۲

کشیدم نالهٔ یعنی پیام عشق میگویم
بخون دل زبان شستم که نام عشق میگویم

رسیدم با خروش بیخودی از من چه میپرسی
ز رنگ زرد مے آیم سلام عشق میگویم

اگر وارسته ام خود را اسیر درد میدانم
وگر آزاده ام خود را غلام عشق میگویم

حریف عشق را جوش و خروش از مے نمی باید
ز بزم شوق مے نوشم ز جام عشق میگویم

بحمد الله چو فیضی نکته سنج پردهٔ رازم
حدیث شوق میرانم کلام عشق میگویم

۲۷۳

ما آرزوئے بخت بسلطان فروختیم
باد هوس بدست سلیمان فروختیم

بستانسرائے مصر بزندان برابر است
تا یوسف مراد بهجران فروختیم

اے راهبر بچشمه سر کاروان ما
ما خون خود بریگ بیابان فروختیم

اے نوح رایگان مشو اینجا که سود نیست
گر یک قطره داشتیم بطوفان فروختیم

دادیم نیم جان بدو عالم هوس ز دست
[illegible] فروختیم

باشد مگر که جوهر تقوی شود پدید
[illegible] فروختیم

فیضی حدیث ما ز خراباتیان بپرس
کز مفلسی بمیکده دیوان فروختیم

وقت است کز خزانهٔ دنیا برون رویم	۲۲۴	زین دیر زنده همچو مسیحا برون رویم
بر باد سدره پر فشانیم بال شوق		زین دامگاه قفس چو عنقا برون رویم
زندان مرد و زن بود این تیره خاکدان		زین شهربند آدم و حوا برون رویم
چون آمدیم از همه تنها درین رباط		هم وقت رفتن از همه تنها برون رویم

فیضی سلوک عشق محال است ازین قدم
کو قوتی که بی مدد پا برون رویم

پیاله دار که ساقی بهشت خو گیریم	۲۲۵	مگر کلاه قدح از سر سبو گیریم
حذر کنیم ز تردامنی لاله رخسان		پیاله بر رخ گلهای تازه رو گیریم
بگوش قمری بیتاب نسیم صبر ز دور		چو بلبلان چمن خو برنگ و بو گیریم
شمیم مجلس ما ره رود بهشت بهشت		ره نسیم سحر از کدام سو گیریم

بهار فیضی چو آمد بدور باده فیضی
بشیشه همه آفاق را فرو گیریم

ز حسرت خواب [illegible] را بیدار می بینم	۲۲۶	[illegible] دلهای ما هم آن سبل بکار می بینم
[illegible] گر جلوه [illegible]		قیامت گر نشسته قامتم که من دیدار می بینم
[illegible] بر عالم		که دیگر چشم را از عمر خود بیزار می بینم
[illegible]		که من دیدار بیرون از در و دیوار می بینم
[illegible]		که چون [illegible] حسرت را بر دار می بینم
[illegible] دست از کار ساقی را		[illegible] آن دست را بر کار خود هشیار می بینم
[illegible]		[illegible] ایمان گره در رشته زنار می بینم
[illegible]		قیامت [illegible] می بینم

فیضی [illegible]
[illegible]

۲۷۷
زبس که جلوهٔ حسن ترا خیال کنم — فراق را بخیال رخت وصال کنم
زقید سلسلهٔ مویان خلاصیم هوس است — جنون نگر که چه اندیشهٔ محال کنم
لبی چو تنگ شکر در جواب من بگشائی — که از تو بیم شکرخندهٔ سوال کنم
یکی کرشمه کنان سوی تربتم بخرام — که خیزم از لحد و بیخودانه حال کنم

چو فیضی از قسمت آنقدر رضا دارم
که گر تو تیغ زنی از خدا خیال کنم

۲۷۸
من دفتر کون و مکان یکباب مفصل دیده ام — اوراق تقویم فلک جدول بجدول دیده ام
لوح ازل بگشاده ام سر ابد دانسته ام — تفسیر هستی کرده ام آیات منزل دیده ام
نقش هیولی بسته ام تکمیل صورت دیده ام — پایه بپایه گشته ام اعلی و اسفل دیده ام
در چشم عارف از ازل فرقی نباشد تا ابد — اول در آخر خوانده ام آخر در اول دیده ام
زنگار هستی کی بود در گوهر والای من — آئینهٔ روشن دلم کز عشق صیقل دیده ام

فیضی بلوح نیستی بر عقل خط درکش که من
در کارگاه عاشقی دانش معطل دیده ام

۲۷۹
دوش از مژهٔ تو خسته بودم — در زلف تو دل شکسته بودم
چون ذره در اضطراب صد بار — برخاسته و نشسته بودم
بر چاک دلم نبود مرهم — در بر رخ غیر بسته بودم
می سوخت دل من از شوق — صد ره چو شراره جسته بودم
دل در خم زلف دوست بستم — در قید زمانه رسته بودم

از داغ فراق همچو فیضی
دل سوخته سینه خسته بودم

۲۸۰
در عشق بجز راه تمنا نگشودیم — پای عقده بجز آبلهٔ پا نگشودیم
از غصه امید نظر بسته گذشتیم — چشم هوس از بهر تماشا نگشودیم
ابنای زمان قابل پیوند نبودند — بر خلق در خلق و مدارا نگشودیم

فیضی ز ازل دست ادب بستهٔ عشقیم
یعنی کمر شاهد رعنا نگشودیم

۲۸۱
چو من بپاکدلی در ازل سرشته شدم
نظر بساده رخان میکنم بدیدهٔ پاک
بسوزن مژه چاک دلم ز دوخت نشسته
سر آن درخت بلاخیز فتنه پرورم

پری گذاشتم و عاشق تو سرشته شدم
که حرف خوان ورقهائے نانوشته شدم
ازین غمست که با تیر زر سرشته شدم
که در زمین سیاه فراق کشته شدم

مدار چشم خلاصی ز قید غم فیضی
چو مبتلائے بتان جفا سرشته شدم

۲۸۲
ما ره بجلی ز کوه ملامت نمی بریم
نگذاشت گرچه عشق بجا نیم قطره خون
صحرا نورد عالم عشقیم زین سفر
ای شاخ گل که بر خوری از عمر گرچه ما

زین سنگ لاخ سر بسلامت نمی بریم
خون میخوریم و نام کرامت نمی بریم
محمل بشهر سبز اقامت نمی بریم
جز حسرتی ازان قد و قامت نمی بریم

فیضی ز بیم جان گرفتاریم در روش
شرمنده ایم و نام ندامت نمی بریم

۲۸۳
کو چنان نشسته که بزم عشق در جوش آوریم
گر لبی از سر کشم چو گورستان مشتاقان شهید
من چنان رندم که در مستان سر با هم
سر کشیده است کنده با من اگر دستم دهد
با خروش بیخودی گر بگذرم از خانقاه

در جنون پروانه وش او را در آغوش آوریم
از شهیدان تو خون خفته در جوش آورم
تا بجائے سر سبوئے باده بر دوش آورم
عقل را از دور ساغر حلقه در گوش آورم
پارسایان را بسوئے دیر مدهوش آورم

فیضیم آخر ره دیوانگی خواهم گرفت
چند بهر دل بعقل مصلحت گوش آورم

۲۸۴
پا ز رنجیده زدن دانستم
نیز چشمی که مرا خواهد کشت

رنجش از رنجش دانستم
من ازان چشم زدن دانستم

شد تو آموختہ با بوالہوساں ماندآں رسم کہ من دانستم
خرمن شرم مرا از دو طرف خندہ شد برق فگن دانستم

گفت از تو گلہ دارد فیضی
گفت خاموش کہ من دانستم

اے خوش آں بزم کہ از دست شوم تو خوری بادہ و من مست شوم
۲۸۵ خیز و گلگون مے آور میاں کہ بیک جلوۂ او پست شوم
چہ کمانہائے بلند است ترا خستۂ ناوک آں شست شوم
من کہ دیوانۂ زنجیر تو ام کے بہر سلسلہ پیوست شوم
عشق از سود و زیاں مستغنی ست من اگر نیست وگر ہست شوم

ساعد اوست بدستم فیضی
آں مبادا کہ تہی دست شوم

مسلماناں ز خوئے نازک دلدار مے ترسم ہمہ ترسند از اغیار من از یار مے ترسم
۲۸۶ مبر اے ہمنشیں شبہائے مہتابم بکوئے او کہ من دیوانہ ام از سایۂ دیوار مے ترسم
مبادا از اضطراب من رمد بو آشنائے من ازیں بیطاقتی مے ترسم و بسیار مے ترسم
دلم جمعست از مرہم نہیہائے ابرویش ولے از فتنۂ آں غمزۂ خونخوار مے ترسم
ندانم چوں برآید کار من با زلف و چشم او ازاں عیارہ مے لرزم وزاں طرار مے ترسم
ندارم زہرۂ دیدن بسوئے ناتوان چشمش رقیباں خندہ بر من کہ از بیمار مے ترسم

خدارا طعنہ بر دلہائے سرد من مزن فیضی
کہ من ہشت خسم از آہ آتشبار مے ترسم

عید است عالم را دگر از جلوۂ آرام کن در مسلک قرباں باشد از غمزہ قتل عام کن
۲۸۷ با چشم کافر دل گذر بر صف نشیناں حرم گر بشنوی غیر از دعا صید رہ مشتاقم احرام کن
خورشید روئے من بگہ بگذر بسوئے عید گاہ بسملم وا از تیغ نگہ صد قتل در ہر گام کن

عید است فیضی تا بکے خونابۂ غم در کشی

امروز در بزم طرب نشین دمے در جام کن

اے بخوں غرقہ تیغ نگہت غمزہ زناں	۲۸۸	سپر انداختہ تیغ تو ناوک فگناں
نازم آں تنگ قبارا کز رشک قد او		پیرہن گشتہ کفن در بر گل پیرہناں
آرمیدند شہیداں تو بر بستر خاک		چہ غم از حلۂ فردوس بایں بے کفناں
پند گو منع من از عشق نگویاں چہ کنی		نقش بت محو نہ گردد ز دل برہمناں

بعد ازیں شب ہمہ شب فیضی و زہر آشامی
نوش جاں بادہ تلخ بشیریں دہناں

اے نرگست بازیچہ از بخت خواب آلود من	۲۸۹	بر باد جولان قدت صبر بلا فرسود من
یارب حیات جاوداں بعد از اجل بدہ بمن		جز ذوق مردن گر بود از زندگی مقصود من
سلطان سپیدرواں دگر آتش مزن در تنیم		ترسم کہ طاق دولتت گرد سیاہ از دود من

تا مہرباں بر دلم فیضی بود پرتو فگن
گردوں سعادت مے برد از طالع مسعود من

گشتم چو بعشق مبتلا من	۲۹۰	اے عقل مرا گذار با من
من از تو جدا نیم کہ عشقت		فرقے نگذاشت از تو تا من
بیگانہ و آشنا کردم		بیگانہ توئی و آشنا من
نازم بکشی بصد جفا تو		عمرت طلبم بصد دعا من
اے شمع کم از تو نیست سوزم		غیرت طلبم تو باش با من

بردند ز پردہ راز فیضی
گل پیرہناں بچاک دامن

چنیں کہ اشک جگر گوں بود ز چشم تر من	۲۹۱	مگر گداختہ شد از تف دروں جگر من
تو نازکی نتوانی نشست در دل من		بیا بدیدہ نشیں چو نور در نظر من
غریب بیکسیم افتادہ از سر کویش		بغیر جاں کہ بر آید کہ مے برد خبر من
بتلخ عیش من و دنیا نیست حرف لفی		چہ زہر بود کہ آمیخت بخت در شکر من

نمے شوند بتاں نرم دل زگریۂ فیضی
دریغ سنگدلاں غافل اند از گہر من

وہ کہ از غمہائے عشق آزاد نتواں زیستن	۲۹۲	غم اگر اینست ہرگز شاد نتواں زیستن
گر بنالم گاہ و بیگہ بر درت معذور دار		دردمندیہا ست بے فریاد نتواں زیستن
شہر پر خوبان و خوباں در پے عاشق کشی		در چنیں معمورہ بیداد نتواں زیستن
نالۂ جانکاہ میخیزد ز دل وہ چوں کنم		کار دل ہرگہ بجاں افتاد نتواں زیستن
خسرو عشقم اگر شیریں لبم دارد چہ باک		تلخ کامم از ہجر چوں فرہاد نتواں زیستن

کاشکے پیمانۂ عمر تو فیضی پر شدہ
کاندریں دیر خراب آباد نتواں زیستن

اے سوختہ دل نہانی از من	۲۹۳	گر آہ کشم نہانی از من
خوش خوش ز بہار عمر برخور		یا باغ از تو باغبانی از من
صد رہ تو بہانہ جو برنجی		رنجیدن اگر توانی از من
رفتم بہزار کوہ حسرت		گر بود ترا گرانی از من
تنہائی راہ بد بلائے ست		اے ہمدم تو جدا نمانی از من

اے بردہ بسیار نامۂ عنبر
رنگیں سخناں نشانی از من

ہر کس کہ داد دل بتو خون دلش مکن	۲۹۴	صید [illegible] مکن
در [illegible]		اے [illegible] مکن
اے [illegible]		[illegible] مکن
گر [illegible]		[illegible] مکن

فیضی چنیں کہ [illegible]
عشق [illegible]

[illegible]	۲۹۵	[illegible]

بغیر از اسیرانِ زلفت که داند		پریشانیِ حالِ آشفته حالان
بچشمِ عزیزان مرا خوار دارد		به پیرانه سالی غمِ خورد سالان
بیابانگِ وا گوشِ لیلی چو پُر شد		چه داند که چون ست مجنونِ نالان

بتان گرم رقص اند بر شعرِ فیضی
زهے جادو آموزِ جادو خیالان

بیاد رونقِ بازار بشکن	۲۹۶	بچشمِ باغبانان خار بشکن
قدح نوشان ازپیشِ کعبه بگذر		ز بد مستی در و دیوار بشکن
اگر خواهی شکستِ عالمے را		دلم را بشکن و بسیار بشکن

بهار آمد بیا فیضی چمن را
بنوکِ خامه رنگِ کار بشکن

شرط ست جان بیادِ رخِ یار باختن	۲۹۷	شطرنج غائبانه بدلدار باختن
کار نیست عشق پر سرِ هم افتاده میتوان		نقدِ حیات در سرِ این کار باختن
سودائیانِ عشقِ تو دارند آرزو		صد خانمان بهر سرِ بازار باختن
منصوبه کجاست که خواهم درین بساط		گنجینهٔ دو کون بیکبار باختن

فیضی حریف شعبده بازے گرفته
شرط ست یا حریف تو هشیار باختن

مطرب از سازِ ترنم خورسندم کن	۲۹۸	تا نغمه گر بتوانی بسندم کن
گر زِ قانونِ تو تارے بگسلد		رشتهٔ جانم باو پیوندم کن
نرگسِ من شکار از چشمِ سیاه		جانبِ عاشق نگاهے چند کن
گرچه بیدانم نگردی آشنا		یک نگاهے آشنا مانند کن

چون بفیضی نقشِ رسوائی نشست
پند گو بر خیز و ترکِ پند کن

مستانه قدم زن بگل و لاله خرامان	۲۹۹	کز شرمِ تو طاوس کشد پائے بدامان

با غم و تهیدستی گوئیم زه عشقت
خونابه گره مے شود امشب بگلویم

هم بهیدل و دین خواهد و هم بسر و سامان
اے باده گوارا به لبِ سوخته کامان

تو از دلِ ما کام طلب باش ز فیضی
کامِ دو جهان یافت ز نایافته کامان

۳۰۰

بیا ساقی و مجلس را دماغِ شوق تر گردان
بگردان ساغرِ مے با منِ دیوانه در مجلس
بدردِ سر خمارم میکشد برخیز مستانه

حریفان را بیکے مارا بہوئے بیخبر گردان
حریفِ انجمن گردیده در خونِ جگر گردان
سرم بشکن بجام و فارغم زین دردِ سر گردان

چه نیستی محمل راهِ حجاز از شهرِ خود فیضی
بگو و کاروانِ کعبه را از راه بر گردان

۳۰۱

همه شب گرد مے امشب دل از عزمِ سفر گردان
خدا را تابِ گرمی سفر گلبرگِ رخسارت
ز گردِ ره چو در دولت سرائے خود فرود آئی
مرا با این دو چشم از دیدنش سیری نشد حاصل

مرا جائے که بر لب میرسد از راه بر گردان
سرت گردم مرا بر گردِ آن دیوار و در گردان
عنان یاد یا دیگر ازیں راهِ خطر گردان
پے نظاره هر سو بر تنم چشمِ دگر گردان

اگر در کامِ فیضی شربتِ وصلے نریزی
بپیغامے دهانِ آرزویش پر شکر گردان

۳۰۲

ساقی بیک دو جرعه مرا تر دماغ کن
عهدِ بهار و عهدِ جوانی غنیمت است
مهمانِ ماست خور و شے امشب نسیم

وز لاله گون پیاله دلم داغ داغ کن
گل در شراب افگن و مے در ایاغ کن
فردوس را ازیں خبرِ تازه داغ کن

فیضی چه شد که از دلِ گم گشته فارغی
هان جستجوئے این گهرِ شب چراغ کن

۳۰۳

امروز نیست هیچ تو مستے ز دستِ حسن
مے زیبدت در انجمنِ دلبران سروری
تو دلبران کمانِ ستم کرده اند زه

مستِ شراب و مستِ جوانی و مستِ حسن
بنشین چو پادشاه بصدرِ نشستِ حسن
چون غمزه ات بجسته خدنگے ز شستِ حسن

باهم و تهیدستی کونین کشفت
خونابه گره مے شود امشب بگلویم
هم بیدل و دین خانه و هم بی سر و سامان
اے باده گوارا بلب سوخته کامان

تو از دل ما کام طلب باش ز فیضی
کام دو جهان یافت ز نایافته کامان

۳۰۰
بیا ساقی و مجلس را دماغ شوق تر گردان
حریفان را یکے مارا بهوئے بیخبر گردان
بگردان ساغر مے با من دیوانه در مجلس
حریف انجمن گردیده در خون جگر گردان
بدرد سر خمارم میکشد برخیز مستانه
سرم بشکن بجام و فارغم زین درد سر گردان

چه بستی محمل راه حجاز از شهر خود فیضی
بگو دو کاروان کعبه را از راه بر گردان

۳۰۱
همه شب گردمے امشب دل از عزم سفر گردان
مرا جانے که بر لب میرسد از راه بر گردان
ندارد تاب گرمی سفر گلبرگ رخسارت
سرت گردم مرا برگرد آن دیوار دور گردان
زگرد ره چو در دولت سرائے خود فرود آئی
عنان بادپا دیگر ازین راه خطر گردان
مرا با این دو چشم از دیدنش سیری نشد حاصل
پئے نظاره هر مو بر تنم چشم دگر گردان

اگر در کام فیضی شربت وصلے نریزی
بپیغامے دهان آرزویش پر شکر گردان

۳۰۲
ساقی بیک دو جرعه مرا تر دماغ کن
وز لاله گون پیاله دلم داغ داغ کن
عهد بهار و عهد جوانی غنیمت است
گل در شراب افگن و مے در ایاغ کن
مهمان ماست خور و شئے امشب نسیم
فردوس را ازین خبر تازه داغ کن

فیضی چه شد که از دل گم گشته فارغی
ہاں جستجوئے این گهر شب چراغ کن

۳۰۳
امروز نیست هیچ تو مستے ز دست حسن
مست شراب مستی جوانی و مست حسن
مے زیبدت در انجمن دلبران سری
بنشین چو پادشاه بصدر نشست حسن
تا دلبران کمان ستم کرده اند زه
چون غمزه ات بخسته خدنگے ز شست حسن

بگذر بباغ جلوه کنان سرو ناز من
تا شاخ گل ز دست تو یابد شکست حسن
فرق است در پرستش ما و امام شهر
از خودپرست صومعه تا بت‌پرست حسن

فیضی فتاده قد تو خیلیست کز غرور
خورشید را به جلوه کند زیردست حسن

۳۰۴
چنان تنگ است از شیرین‌لبان تنگ دهان او
که از تنگی نمی‌آید برون حرف از زبان او
بزور قادر انداز حق آن ابروکمان نازم
که جز تیر قضا ننهاده هرگز در کمان او
نگاهش بر زمین افگند خلقی را چه سحر است این
که کار صد توانان کرد چشم ناتوان او
تصور چون توانم کرد حسن او ز سر تا پا
که موئی گشته‌ام از اندیشهٔ موی میان او

بگفتم حیلتی ده یک دو روزی قتل فیضی را
بگفتا باز مانم گر اجل گردد ضمان او

۳۰۵
خوش آن زمان که یکی بود خانهٔ من و تو
نبود راه جدائی میانهٔ من و تو
تو تیغ بر کف و من جان بکف نمی‌شاید
میان اهل محبت نشانهٔ من و تو
اگر وفای من و بیوفائیت این است
بیادگار بماند فسانهٔ من و تو
حدیث لیلی و مجنون شنیده میگویم
که فتنه خیز تر آمد زمانهٔ من و تو
دلا من و تو بهم زار زار بنالیم
به بزم عشق خوش است این ترانهٔ من و تو

جواب این غزل تازه ام بگو فیضی
همین بود جدل شاعرانهٔ من و تو

۳۰۶
من در طلب دل شده دل در طلب تو
آوارهٔ عالم شده ام از سبب تو
لیلی تو دلت سوخته بر نالهٔ مجنون
دانم نبود بیهده شور و شغب تو
نی مرده مرا خواهی نی زنده گذاری
درمانده ام ای شوخ ز خوی عجب تو
شد تیره جهان در نظرم روز جدائی
ای روز سیه دیدهٔ تیمار شب تو

شهسوار عشق آمد ای سرم پامال او
صد بلا در پیش و صد آشوب در دنبال او
محمل عمرم به ملک نیستی نزدیک شد
ای اجل وقت است اگر آئی باستقبال او

اینکه از خالِ خوش داغِ دلِ من تازه شد نے ہمیں مجنوں سپا افگند زنجیرِ جنوں		جز سیاہی دیدہ ام رنگِ دگر از خالِ او پائے لیلی ہم بزنجیر است از خلخالِ او

اے ملک در خاک از فیضی چہ پرسی کیست
غیرِ حرفِ نوخطاں در نامۂ اعمالِ او

بیا ساقی زخود آگاہیم دہ دلم تاریک و من سرگشتہ در خود خرد جانِ مرا کاہید از غم	۳۰۷	شراب بزمِ اکبر شاہیم دہ چراغ مے دریں گمراہیم دہ نجاتِ دل ازیں جانکاہیم دہ

فنونِ عشقِ فیضی بس دراز است
ازیں داستاں زباں کوتاہیم دہ

ما بدلِ سادہ ایم حسن پرست آمدہ جامِ نیالودہ ایم از مے و بیخود شدہ خیز کہ در بزمِ شوق پائے بکوبیم مست اے کہ بمعراجِ عقل آمدہ عرش بلند	۳۰۸	آئینۂ وحدتیم دست بدست آمدہ بادہ نہ بیہودہ ایم ہرگز و مست آمدہ ما نہ دریں مجلسیم ہر نشست آمدہ رو کہ در ایوانِ عشق عقلِ تو پست آمدہ

معتکفانِ خود پرست برہمنانِ بت پرست
فیضی ما نازاں میاں بادہ پرست آمدہ

گرچہ ہندو پسراں جلوہ فروشند ہمہ گر تو زینگونہ جمالی بہ جبین صندلِ سرخ خوبرویاں ہمہ محبوبِ جہانند و لے اے دلِ سادہ طلبگار کرہ شدہ	۳۰۹	حلقۂ گوشِ ترا حلقہ بگوشند ہمہ نگر خالِ روئے خود از چشم ہوشند ہمہ جز بخونریزی احباب نکوشند ہمہ کہ اگر خونِ تو باشد بنوشند ہمہ

فیضی از عشق سخنگوئے کہ شکر گفتاراں
تا سخن گوش کنند از تو خموشند ہمہ

آں پری روست گریزاں زمنِ دیوانہ صبر و آرام کجا گرد دلِ من گرد	۳۱۰	شمع لرزاں بود از پر زدنِ پروانہ آشنائی نتواں کرد بہر بیگانہ

شیشهٔ چرخ ازاں ماند دریں بزم تهی — که مے عشق نگنجد دریں پیمانه
در رهِ عشق زلیخا نه کم از مجنون ست — اے بسا زن که نهد گام وفا مردانه

فیضی از شورشِ طوفانِ غم آزاده مباش
قطرهٔ بے تلخیِ دریا نشود دُر دانه

۳۱۱
امشب در آمد از درِ من ماه پارهٔ — در خانه ام فتاد درخشاں ستارهٔ
هیهات این فروغ بماه و ستاره نیست — سر بر زد آفتاب مگر از کنارهٔ
رخشنده گوهرے ست ز سر تا قدم چه عیب — در گوشِ او اگر نبود گوشوارهٔ
خوں شد دلم چو بر زده از ساعد آستیں — میکرد کشتگانِ ستم را کنارهٔ

فیضی چو چاره ساز تو امشب نگشت یار
دیگر بغیرِ صبر ترا نیست چارهٔ

۳۱۲
در دل آتش زدن از جانِ من آموخته — گرمی از آتشِ پنهانِ من آموخته
کار بر هم زدنی و عالمے آشفته کنی — گوئی از بختِ پریشانِ من آموخته
بے تو اے غم دگراں با طرب آموخته اند — بسکه با کلبهٔ احزانِ من آموخته

فیضی ایں طرزِ دل آویز که داری به سخن
مگر از شوخِ سخندانِ من آموخته

۳۱۳
بیا ساقی و جامِ مے بکف نه — ز بزمِ ما تکلّف یک طرف نه
حریفاں منتظر در بزم تا چند — قدح بر کف گذار و رو بصف نه
نواے مطرب چو پرخوانم غزل را — بصد آهستگی دستے بدف نه
چه شد گر بزمِ ما را شمع نبود — نظر بر بادهٔ خورشید تف نه

نماند با تو قصدِ دهر فیضی
بدل چوں عشق گنجے بے تلف نه

۳۱۴
اے خشمگیں بسرِ ما تا که توئی — فتنه آنجا ست بهر جا که توئی
چه غم از روزِ قیامت داری — با همه فتنه و غوغا که توئی

ایکه خون ریخته پنهان ز همه		هست در چشم تو پیدا که توئی
نیست در معرکه غمزه زنان		همچنین در نظر ما که توئی
	فیضی ارباب ملامت هستند همچنین عاشق و رسوا که توئی	
تا سرمه بچشم ستم آلوده کشیدی	۳۱۵	در دیده عاشق نمک سوده کشیدی
امروز باندازه قدح نوش که فردا		بس انتظار است که بیهوده کشیدی
ای حلقه زن کعبه ز دست تو چه نالم		دستم ز در بتکده بیهوده کشیدی
رفتی بسر خاک شهیدان محبت		دامان دل مردم آسوده کشیدی
	فیضی ز غم دینی و عقبی شدی آزاد دست هوس از بوده و نابوده کشیدی	
دارم هوس که جان شکیبا بمن دهی	۳۱۶	صبری بهجر [illegible] شکیبی و شتابا بمن دهی
این نیم جان که پیش تو دارم نگه چنان		آلوده [illegible] آشنا بمن دهی
ای با هزار عشوه عتاب چه کم شود		گر رخصتی ز مهر تماشا بمن دهی
	فیضی طفیل شوق خیالت بلند شد خواهم خبر ز عالم بالا بمن دهی	
سرخوشان غمزه زنان عشوه نما می آئی	۳۱۷	چه کسی ز کجائی و کجا می آئی
گرم می آئی و دل می طپد از آمدنت		غالبا از پی دل بردن ما می آئی
صبر من رفت نگه تند چرا می رانی		جان من سوخت مگر گرم چرا می آئی
وه چه جادوگری ای شوخ که اندک اندک		می روم بیهوش من و دل شده ها می آئی
کس نه بینم که ترا بیند و از خود نرود		تا که در دیده مردم چه بلا می آئی
	می دهد جان بتماشای جمالت فیضی گرچه در دیده او روح فزا می آئی	
چو در مستی عتابی کرده باشی	۳۱۸	چه با جان خسته ای کرده باشی

بخندی به دل پر آتش من		بستی گر کبابی کرده باشی
نخواهم گل در آغوش تو از رشک		بران بستر که خوابی کرده باشی
دم قتل اضطراب از من عجب نیست		تو خود هم اضطرابی کرده باشی
مبین بسیار در آیینه آن به		که از خود هم حجابی کرده باشی
بنجم کی شود آن ماه طالع		خبر زه گر حسابی کرده باشی
مرا کی می فروش این بیخودی نیست		مگر در باده آبی کرده باشی

مرادت گرچه فیضی دیر پایست
تو در جستن شتابی کرده باشی

ترا رسد که جهانی به ترکتاز کشی	۳۱۹	که هم به تیغ کشی خون و هم به ناز کشی
مرا گذار که در خاک و خون طپیم چند		چو نیم کشته اسیران تو به ناز کشی
شگرفی که اگر روز حشر زنده شوم		گناهگار محبت کشی و باز کشی

بقصد کشتن فیضی میار دست به تیغ
تو صید پیشه نباید که شاهباز کشی

امشب چو بکوی من شتابی		شبگیر مکن که آفتابی
از دست تو دیده و دلم کرد حشر	۳۲۰	بسیار بجوئی و نیابی
بیداد تو گر چنین شود کی		عالم شده است بدین خرابی
در دو لب تو پارسایان		دارند همه تنک شرابی
مشکل که رسد بدیده ام خواب		در دیده من مگر بخوابی

فیضی ز تو یار می برد دل
بیداد چرا در اضطرابی

ای که در دل همیشه جا داری		دل که بردی ز من کجا داری
تو کجا ام آشتی سکی دانم	۳۲۱	که درون دو دیده جا داری
از تو بیگانه خو عجب دارم		که نگاهی به آشنا داری

سر بخورشید سے توانی سود — بسکہ سرہا بزیر پا داری
خشم و نازِ تو نیست با دگران — ہر چہ داری ہمیں بما داری

نیست فیضی دعائے تو مقبول
تا یکے دست در ہوا داری

بے کنی نگہے از حیا بسوئے کسے — سگِ جہانے تو گردم فرشتہ خوئے کسے
۳۲۲ ز صد ہزار خدنگِ نہاں کہ مے فگنی — یکے ز شرم نیاورده بروئے کسے
مخالفاں بمن کرده اند گوش زدت — اگرچہ گوش نہادی بگفتگوئے کسے
من و تصورِ وصلت کہ عشق در دلِ من — جز آرزوئے تو نگذاشت آرزوئے کسے
نہ از شکیب چنیں باز ماندم از تگ و پو — کرانہ تیم ہمہ گم شد بجستجوئے کسے
اگر اجل بسر و جان بر لب آمده ام — مرا چہ بیم کہ من زنده ام ببوئے کسے

زاں بت کہ تو در نقاب داری — صد بتکده را خراب داری
۳۲۳ بوئے برساں بما کہ از زلف — ہم ساغر و ہم شراب داری
فردوس بود در آب و آتش — زاں عارض گل کہ در گلاب داری
خونریز تو چوں نگاہ مست است — گر باده کشی ثواب داری

آں نیست کہ بگذرد ز خوبت
فیضی تو چہ اضطراب داری

بنامرادی خود گر قرار داشتمے — مراد ہر دو جہاں در کنار داشتمے
۳۲۴ سر حدیث ندارم و گرنہ پیشت ہم — گر لب ز تیر فگار داشتمے
شکوه و نازِ تو زد در دہانِ من ورنہ — ہزار نالۂ بے اختیار داشتمے
بخاک و خوں نطپیدے دلم اگر نفسے — تحمل چند انتظار داشتمے

گذشت آنکہ بامید وعده فیضی را
فریب خورده صبر و قرار داشتمے

۳۲۵ اگر بدست دل بے قرار داشتمے — بوعده ہائے تو امیدوار داشتمے

بیکدل اینہمہ درد است در دلم اے وائے		چہ کردمے کہ ازیں صد ہزار داشتمے
ز آفتاب رخان روز من سیہ بشد		اگر تحمل شبہائے تار داشتمے

دریغ مستی فیضی بجائے مے اے کاش
چو مرگ شربت ناخوشگوار داشتمے

گذشت آنکہ دل بردبار داشتمے	۲۲۶	بزیر کوہ ملامت قرار داشتمے
گذشت آنکہ تو گلگل شگفتہ بودی و من		ز ہر گلے بجگر خار خار داشتمے
گذشت آنکہ چو پیمان وصل مے بستے		بشاہ راہ وفا انتظار داشتمے

گذشت آنکہ چو فیضی ز خط و خال بتاں
نظر مقید نقش و نگار داشتمے

ایکہ سر حلقۂ سبزان سیہ فام توئی	۲۲۷	چشم بد دور کہ خال رخ ایام توئی
در سیاہی تو صد نور نہان ست بچشم		قبلۂ گرچہ تا شب امید مرا شام توئی
گرچہ سر تا بقدم آمدہ سر چشمۂ کفر		کعبۂ مردمک دیدۂ اسلام توئی

عنبریں موئے بتے را بگزیدی فیضی
زیں ہمہ سوختگان باطمع خام توئی

اے دل ازیں شوخ تندخو کہ تو داری	۲۲۸	کے برہد دست آرزو کہ تو داری
شمع بخونریز کشتہ کہ تواں شد		کشتۂ خوئے بہانہ جو کہ تو داری
چوں ز رخش اے باغباں بگے نشگفتہ		زیں ہمہ گلہائے تازہ رو کہ تو داری

گو ببر دل کم فتد بدست تو فیضی
بکشش از رہ جستجو کہ تو داری

مدعی از من شبے سحرے داشتمے	۲۲۹	گرچہ تو بیداد گرے داشتمے
از تو ستمگار بکیساں آمدم		کاش دل من جگرے داشتمے
پیش تو درد دل خود گفتمے		گر نفس من اثرے داشتمے
کے بتقاضائے مرگ خود		گر شب ہجراں سحرے داشتمے

چه سرخ کشیدی به دل آزاریم / گر ز تو بر چشم تری داشتمی

فیضی آواره چه می‌گردد آه
گر نه درین ره جگری داشتمی

فلک زین کج رویهایت نمی‌گویم که بر گردی / شب وصل است خواهم اندکی آهسته‌تر گردی
٢٣٠ ز مهتاب خوش ویرانهٔ من روشن است امشب / اگر وقت طلوع آید ای خورشید بر گردی
پس از عمری است امشب کوکب اقبال من طالع / تو ای شب خواهم بوقت خود سحر گردی
عجب نبود که جز روز قیامت پرده نگشایی / که ای صبح سعادت از شب من بی‌خبر گردی
تو ای اختر شناس امشب چه دانی گفت گردون را / که بر خاطرم بر عکس شبهای دگر گردی

شبها امشب بجانان درد دل دارم میا بیرون
که می‌ترسم خدنگ آه فیضی را سپر گردی

ایکه در بردن دل چشم سیه میداری / صید هم دل بتو گر یک نگه میداری
٢٣١ قاتل من بتو نازم که بهنگامه حشر / زندگی در حق عشاق گنه میداری
در هوای تو من سوخته دل را یا رب / هیچ جا نیست که در نیم نگه میداری

فیضی از وعدهٔ امروز تو فردا منشین
خاک شو خاک اگر چشم به ره میداری

رباعیات وقطعات

اے خمِ ابروئے تو تیغِ جفا — حلقۂ گیسوئے تو دامِ بلا
خنجرِ پہلوئے تو تیغِ اجل — غمزۂ بدخوئے تو تیرِ قضا
بستۂ بازوئے تو ترکِ ختن — کشتۂ آہوئے تو شیرِ خطا
در رُخِ نیکوئی تو نورِ ازل — در لبِ جادوئے تو سرِّ خدا
خستۂ ہندوئے تو فیضئے زار — تشنۂ داروئے تو بہرِ دوا

بوستانِ خیالِ فیضی را — از نمِ فیض تازه و تر بین
هرچه یابی بلند و پست درو — همه بالاتر و فروتر بین
نخلها تا فلک کشیده نگر — سبزه‌ها تا زمین برابر بین

من آن غواصِ اشعارم که عمرے — بدریائے سخن کردم شناها
اگر پست و بلند افتاد شعرم — بقدرِ شعر مے خوانم ثناها
بود دیوانِ من شهرے و در شهر — بلند و پست مے افتد بناها

فیضیم شاعرِ توانگر دل — همت از خاک بر کشیدۂ من
گشته در آستینِ همت گم — طرحِ سپهر این کشیدۂ من
این سوادِ سخن که مے نگری — هست خونابۂ چکیدۂ من
آفریننده شاهدست که هست — معنیِ خاص آفریدۂ من
بوده در چهارسوئے تنگ خیال — جنبشِ کلکِ سر بریدۂ من
بار شد اکنون از جنسهائے سخن — غزل و مثنوی گزیدۂ من
هرچه گفتم بمدحِ اہلِ دول — عشق بستر داز جریدۂ من
ورنه مے شد شگفت دیوانے — از غزلهائے سر قصیدۂ من

شنیدم در خراسان فیضئے بود — که گفتے بلبلِ این بوستانم
اگر او بود بلبل در خراسان — کنون من طوطیِ هندوستانم

فیضیم عاشق جمال سخن
گر دو عالم مراد من سخن است
از همه روئے در سخن دارم
قبلهٔ اعتقاد من سخن است
هیچگاهے ازو گزیرم نیست
پیر من اوستاد من سخن است

فیضی این نامهٔ شگرف مرا
احتیاج سخن رساندن نیست
کرده معنی بدل مشابه هجوم
که درو جائے نقطه ماندن نیست

فیضی منم که با خرد آسمان نورد
یک چند سیر عالم انصاف کرده ام
با گونه گونه مردم عالم نشسته ام
سیر بهشت و دوزخ و اعراف کرده ام
هم در زبان متابع اخلاق بوده ام
هم در سخن تتبع اسلاف کرده ام
گردرد نیست در سخن من عجب مدار
کین باده را به پردهٔ دل صاف کرده ام

اگر از شاه من خبر پرسی
اکبر عهد و اعدل امن است
وگر از علم من سخن طلبی
برزبانم جهان جهان سخن است
وگر از کلک من سخن رانی
نقطه ام رونق گل مشکل است

فیضی چو شنیدی از یکے بد
زنهار که بد مگوئی وے را
رو گوش یقین کشا و بشنو
ظنوا بالمؤمنین خیرا

زور پرستا بحسرت زر و سیم
بر لب تشنه آه سرد رود
چه بلاها که بحفظه کشند ترا
بر تن تنگ خشے هرزه گرد رود
از پے وجه آب و خورد چرا
این قدر از تو خواب و خورد رود
زین تکاپو که مسکنی عجب است
که ز تو حرص جهان نورد رود
خاک در چشم آرزو که بینی
که ز طمع آبروئے مرد رود
نازنین کالبد رها کرده
جان بچندین هزار درد رود
هیچ دانی که چون تن تو بخاک
زین همه نقد و جنس فرد رود
سپر انداخت عقل و ہے ترسم
که سرش هم درین نبرد رود
هر خس حرص تو گر چنین تند است
گرد بر چرخ لاجورد رود

پیش این سیم کش دلے که تراست	سنگ آهن ربا بگرد بود
دوش با افکار [illegible] گفتم یا دستور عقل ای تو [illegible] عنوان [illegible] ابد از [illegible] گذشت [illegible] است چیست سری که چند [illegible] پیش و پستی میکشد گفت فیضی خامشی کز این حرف [illegible] بر زمین تنها نه کین بر آسمان هم رفته است	گفتم ای گنجینه بخش علم و گنجور عمل هم توئی قانون نه دیوان سلطان ازل خاطرم مشکل گشای عقدهٔ دین و دول سفلگان روزگار از من بمقدار محل هم تو خود دانی که بر من هم نشد این عقده حل بر عطارد زهره و بر مشتری بنگر زحل
فیضی از سر دهر نماید آنچه میبینی پدیدهٔ تحقیق عقل گفتا که چیست این دولاب [illegible] پیدا [illegible] گفتم این [illegible] صد دانه	سجده از [illegible] میگردد با دل ره گرای میگردد که ز سر تا بپای میگردد حلقه حلقه درای میگردد که بنام خدای میگردد
گر علاوت ز عمر مے خواهی گوز [illegible] است شیر [illegible] تر	تا بود عمر باش خاک نشین آنچه نزدیک تر بود بزمین
هر دو باید ز پے نفع رسانیدن خلق روز و شب نے گذرانند ز خطر مردم را	بره دولت ارباب کرم جاگیرد بے سبب نیست که کشتی لب دریا گیرد
بازکن گره فلک [illegible] جو چشم [illegible] ز نظر باز آید دل [illegible] ان تو [illegible] زلف معشوق ز دست تو [illegible] سایه [illegible] تو [illegible] ماند	بر سفالین بدنت سنگ افتد عقل شیخ تو ز نیرنگ افتد جان ز هجران تو دلتنگ افتد بربط عیش تو از چنگ افتد تار نبض تو ز آهنگ افتد
فیضی [illegible] راست [illegible] کجا نیست معتدل از راستی است [illegible]	بایدت از همه نشان انزوا فطرت [illegible] خط استوا

مستانِ ازل شبے کہ مالشند
از پہلوئے خود کنند بستر

برخاکِ فنا تنِ سفالین
از بازوئے خود کنند بالین

قطبِ ربانی فریدالدین شکرگنج آنکہ خلق
درمقامِ او بصد رنج و تعب پی بردہ اند

قطعِ راہِ عشق آسان نیست کارِ انبیا
در حریمِ دل بصد خونِ جگر پی بردہ اند

در بیابانِ طلب دل را بخاک افگندہ اند
تا نہ پنداری کہ با شمعِ نظر پی بردہ اند

طوطیان دیدیم چو پروازِ گردِ مرقدش
گوئی اینہا ہم بآں گنجِ شکر پی بردہ اند

شہا بسیطِ زمیں دلفریب مائدہ است
درو ست ہم نعمِ دنیوی و ہم دینی

نہادہ اند دریں گردِ خوان ز عالمِ غیب
ہزار نعمتِ حق تا کدام برچینی

سفر گزیدہ تریں نعمتے ہست در عالم
ز بہرِ ذوقِ خدا دانی و خدا بینی

رسیدہ بطوافِ مزارِ گنجِ شکر
کہ کردہ زیرِ سرش نُہ سپہر پائینی

بلے چو اہلِ کرم خوانِ نعمت آرایند
بروئے مائدہ اکثر کنند شیرینی

صد شکر کہ از سپہرِ اقبال
خورشیدِ کرم بمن نظر کرد

یکچند ز پا فتادہ بودم
بخت آمد و دست در کمر کرد

بستم کمرش چناں کہ شوقم
از نُہ کمرِ فلک بدر کرد

یعنی کششِ عنایتِ شاہ
بسغدِ دل استوار زر کرد

فیضِ ضمیرِ من کہ دریں خمکدہ عقل فریب
نشئہ ام ہمچو تنک بادہ حریفان بے ظرف

از خود و ہمتِ خود اینقدر امید ہا ہنوز
گر گنجینۂ غیب اینہمہ بر بندم طرف

نظمِ من معنیِ رخشندہ بدامن دارد
کہ سیاہی بنویسند و نماید شنگرف

دل کہ بیجا نرم و دانم کہ زکوہ نظر است
کہ شگرفے بنماید ظریفان شگرف

شعلۂ طبع مرا نیز نیابی ہرچند
در تموز از نفسِ مدعیاں باد برف

زرِ بیغش کدہ مجو سیدن بحرِ سخنم
کہ ہمہ گوہرِ شکر است دریں لجۂ ژرف

گر سخن گرمتر افتد نمکش عیب کہ نیست
چین پیشانیِ معنی گرہِ ابروئے حرف

من و اندیشۂ بد و میسر مکناد
حیف از آن وقت کہ چون ہمچو کساں گردد صرف

منم فیضی که در میدان معنی
بجلد شعر من از پوست تا مغز
بدین سیماند این پاکیزه گفتار

چو من چابک سوار تیز تگ نیست
بجائے مردم ناپاک رگ نیست
که در دیوان حافظ نام سگ نیست

امروز در شناختن گوهر وفا
افسانه مکارم اخلاق میرود
دانی کدام طائفه اهل محبت اند
بر سر قدم نهند سبکتر ز برگ گل
گفتارشان بلب چو جانان پرده دار
جائے که دامن مژه نتوان بلند کرد
نے آن گروه خیره که در پیشگاه عقل
در سینه مهر نے و تمنائے همدمی
کوته کنیم قصه که فرض محبت است
زین هم گذر که سالک وحدت نمیکند

صراف عالمیم و ز زر ماست ده دهی
معنی نگر که میکندش لفظ کوتهی
آنانکه هم رهین وفائند و هم رهی
بر دیده بگذرند چو باد سحرگهی
اسرارشان بدل چو نگاران خرگهی
با صد هزار دیده نمایند ابلهی
ابله فریب ساخته خود را ز ابلهی
در کیسه خاک نے و گزاف شهنشهی
با این گروه سلسله مهر منتهی
همخانگی به روح قدس ملک کوتهی

حریر باف سخن محتشم که در کاشان
یکے ز نکته وران فلک دیدم اشعارش
بگفتمش سخن او عبارت است ولے

بطرز تازه تر از هر سخنوری دارد
عبارتیست که معنی سرسری دارد
عبارتے که به معنی برابری دارد

پشم حرفا دو سه حرف است شگرفانه مرا
گوهر طبع تو و پشم ز یکسان زادند
خلقے از هیبت دو غشیانند و صداع
پنبه و پشم حدیث تو هم نزدیک اند
انپه ندگی و بیاسے سمن نام مبر
هر که خرمهره نظمت کند آویزه گوش
با بزرگان سخن صاف ندیدیم ولت

گوش فرما که زبان قلمم حرافست
نیک میدانم و بر خسروم صرافست
انقدر صرفه مکن کار توی حرافست
آنچه از کلک تو آید نه حد ندافست
پروائے هر نه که زاغ قلمت خر بافست
نشکند گوهر دندان تو بے انصافست
بے سبب نیست که چنین سخنت ناصافست

در تواضع بود لعالمیان
سربلندی و سرکشی طلبید
هر دو درکار خویش معذور اند
میوهٔ خام سرکشیده بود

هرکرا علم دلنشین افتد
هرکرا علم درکمین افتد
عالم و جاهل اینچنین افتد
چون شود پخته بر زمین افتد

فربها بازچه اندام است این
یا درون مشغفن که تر است
زین گرانی که وجودت دارد
قصه کوته ز جهان بیرون رو

برتو گر خنده زنم جنگ مکن
دعوے دانش و فرهنگ مکن
پلهٔ خاک گران سنگ مکن
جائے بر خلق خدا تنگ مکن

پیر مردے گهر فروش مرا
سر صندوق خود گشاد و کشید
در خیالش گران تر از الماس
مانده یاقوت و لعل و فیروزه
بخیال زمردش در پیش
گفتم اے جوهری جوهر سنج
باش کین سنگریزهائے ترا

دی بدو کان خویش برد بزور
چند از سنگ ریزهائے بلور
قیمت سنگ پارهائے بلور
نام خرمهرهائے با با غرور
شیشه در قطار چون صف مور
هفت دریا ز گوهرت پر شور
روز مرگت نهند بر سر گور

خواجه از بهر خوردن با زهر
زهر اگر نوش جان کند بهتر

تا یکے ساعت اختیار کند
زین که با زهر زهر مار کند

اے که گفتی بیا معانی خاص
هر یکے پیش من بود صنمے
گشته پیرو نیست وندانت

که فریبنده بستمش یکیک
که بجان مے پرستمش یکیک
ورنه من مے شکستمش یکیک

بحمد الله که باز از عالم غیب
بپائے تخت اکبر شاه از جبر
اگر پرسید [illegible]

در دولت برو ئے [illegible] گشادند
سران و سرکشان گردن نهادند
[illegible]
[illegible]

ما ئیم و دلے براہِ وحدت پویاں
یک لمحہ ز خورشیدِ سعادت جویاں
رو بینہ زگوش کش کہ ہر ذرہ بود
اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ اکبر گویاں

یارب من اگر مستم و اگر ہشیارم
گر خفتۂ غفلتم و گر ہشیارم
ہنگامِ جزا چو با تو افتد کارم
بر نیتِ من بہ بیں نہ بر کردارم

یارب قدمے براہِ توحیدم دہ
شوقے بہ نہانخانہ تجریدم دہ
دل بستگی بسّرِ تحقیقم بخش
آزادگی ز قیدِ تقلیدم دہ

یارب ز کرم امید بے بیمم دہ
علمے کہ رضائے تست تعلیمم دہ
تاریکی عقل در کشاکش دارد
از شمعِ رضا فروغِ تسلیمم دہ

یارب بکفم مرادِ ہر آنم دہ
وز مہرِ ازل نور بہ ذراتم دہ
سرگشتہ مساز در بیابانِ سکرات
راہے بحریمِ کعبۂ ذاتم دہ

یارب دلم از زنگِ کدورت برہاں
وز ہر چہ دریں رہ نہ ضرورت برہاں
در کن مکنِ جہاں معنے انداز
وز کشمکشِ عالمِ صورت برہاں

یارب برہِ تو غیر شیون چکنم
یک ذرہ دلم نگشت روشن چکنم
خواہم بہ بلندی بگرایم لیکن
خود ہمتِ پست دادہ من چکنم

یارب ز کمالِ معرفت مہجورم
در راہِ مجاز از حقیقت دورم
چوں طاعتِ تو نشد میسّر گفتم
گر جملہ گناہ کردہ ام معذورم

یارب دلِ من بصدق پیراستہ کن
علمے کہ نہ با عمل ز من کاستہ کن
از بندہ ہر آں عمل کہ آری بہ وجود
اول بصفائے نیت آراستہ کن

یارب ز رہِ راست نشانے خواہم
وآزادہ ز آب و خاک جانے خواہم
از نعمتِ تو چو بہرہ مندم کردی
در شکر گذاریت زبانے خواہم

یارب بسعادتِ ابد راہم دہ
بیداری دولتِ سحرگاہم دہ
روشن دلکی ز خویش آگاہم دہ
یک لمعہ ز طلعتِ شہنشاہم دہ

یارب برضائے خود نگہدار مرا
در وادی صدق رو برہ دار مرا

اِیّام وصال بار و وحدت بیان … یک ذرّه ز خورشید سعادت جویان
خود چنبه ز گوش کش که هر ذرّه بود … الله الله الله اکبر گویان

یارب من اگر مست و اگر هشیارم … گر خفتهٔ غفلتم و گر هشیارم
هنگام جزا چو با تو افتد کارم … بر نیتِ من به بین نه بر کردارم

یارب قدمے براهِ توحیدم ده … شوقے به نهانخانهٔ تجریدم ده
دل بستگی بسرِ تحقیقم بخش … آزادگی ز قیدِ تقلیدم ده

یارب ز کرم امید بے بیمم ده … علمے که رضائے لذتِ تعلیمم ده
تاریکی عقل در کشاکش دارد … از شمع رضا فروغ تسلیمم ده

یارب بکفم مرادِ مرآتم ده … وز مهرِ ازل نور بذراتم ده
سرگشتهٔ مسافر در بیابانِ سکرات … راهے بحریم کعبهٔ ذاتم ده

یارب دلم از زنگِ کدورت برهاں … وز هرچه درین ره نه ضرورت برهاں
در کن مکن جهاں معنے انداز … وز کشمکش عالمِ صورت برهاں

یارب بره تو غیر شیون چکنم … یک ذرّه دلم نگشت روشن چکنم
خواهم به بلندی بگرایم لیکن … خود همتِ پست دادهٔ من چکنم

یارب ز کمالِ معرفت مهجورم … در براهِ مجاز از حقیقت دورم
چوں طاعتِ تو نیست بجز معرفت … گر جمله گناه کرده ام معذورم

یارب دلِ من بصدق پیراسته کن … علمے که نه با عمل زمن کاسته کن
از بنده هر آں عمل که آری به وجود … اول بصفائے نیت آراسته کن

یارب ز رهِ راست نشانے خواهم … و آزاده ز آب و خاک جانے خواهم
از نعمتِ خود چو بهره مندم کردی … در شکر گذاریت زبانے خواهم

یارب بسعادتِ ابد راهم ده … بیدارئ دولتِ سحرگاهم ده
روشن دلئی ز خویش آگاهم ده … یک لمعه ز طلعتِ شهنشاهم ده

یارب برضائے خود نگهدار مرا … در وادیٔ صدق رو بره دار مرا

زاں گونہ کہ بادشاہ در سایۂ تست	در سایۂ لطف بادشاہ دار مرا
یارب چو من از ہستی خود برخیزم	واندر رہ جستجو بخاک آویزم
از گرد رہ آیم بدر ہمہ گرد آلود	جز دست تہی مباد دست آویزم
یارب قدحے بزم وصالم در دہ	یک جرعہ ز ساغر کمالم در دہ
لب تشنہ مرا در تیہ تقلید مدار	از مشرب تحقیق زلالم در دہ
یارب رہ وصل آشکارا بنمائے	یک جلوہ ازاں حسن دلارا بنمائے
آں حرف کہ خواندنیست در دل بنگار	واں نقش کہ دیدنیست ما را بنمائے
زاں پیش کہ برگشتہ زرا ہم داری	قادر بودی کہ بے گنا ہم داری
چوں بود بقدرت تو اینہا دانم	کاخر چنیں نامہ سیاہم داری
نے زہرۂ چشم کہ جمالش نگرد	نے طاقت دل کہ در خیالش نگرد
دل کیست کہ کنہ ذاتش آں دل داند	یا دیدہ کہ خورشید جمالش نگرد
آں ذات کہ عقل از و نشاں دیدہ نہ	واں نور کہ دیدۂ گماں دیدہ نہ
جز نور نہ و لے چوں نیکو نگرم	نورے کہ بایں دیدہ تواں دیدہ نہ
جاہا ہمہ غرق بحر جاوید شوند	ذرات نہ محروم ز خورشید شوند
زیں در کہ بود قبلۂ امید دو کون	اے وائے بر آں قوم کہ نومید شوند
با پردۂ عشق تکاپو کردن	چہ پیستہ بخورشید ازل رو کردن
زیں ساں کہ بود ظہور حق ہمہ سو	کفر ہست رخ نیاز یک سو کردن
خواہم بتو عرض بے نوائی کردن	نالیدن و بخت آزمائی کردن
ہر چیز کہ شاہ بے طلب مے بخشد	شرط است دریں راہ گدائی کردن
ذات تو کجا و حد ادراک کجا	کنہ تو کجا دل ہوسناک کجا
ہیہات نہ کجا تو و کجا ما ہیہات	خورشید کجا و ذرہ خاک کجا
ساقی قدحے کہ نیم مستیم ہنوز	مخمور شراب الستیم ہنوز
ما را بجہاں کہ تا ازیں ہستی ما	یکذرہ بجاست بت پرستیم ہنوز

گر نالهٔ دل به آسمان بر بشدم
آرام ندارد دل شیدائی من
گه بر لبِ خود راهِ فغان بر بندم
گر ناله کنم درِ زبان بر بندم

آن نیست که ما ارض و سما نشناسیم
این شرده هزار عالم و هر چه در وست
سرِ قدر و راز چند ما نشناسیم
نشناخته به اگر ترا نشناسیم

دل از غمِ کائنات برداشته به
چشمے که از روئے تو روشن باشد
جز یادِ تو هر چه هست بگذاشته به
بشگافته و بخاک انباشته به

در عالمِ توحید تماشا هوس است
از کن مکن و اسم خدا اسم عرض است
یکرنگ شدن بکائنا تم هوس است
در کشمکش عقل تحیرتم هوس است

اے دامن و جیب عشق پاک از تو همه
از فیض تو هیچ عنصرے خالی نیست
گلهائے مراد خسته و تاک از تو همه
اے آتش و آب و باد و خاک از تو همه

هر قطره که در محیط امید بود
هر ذره که از ریگ بیابان نگری
دریائے قدح کشان جاوید بود
آئینه رونمائے خورشید بود

از جان و دل و دماغ و خون و رگ و پے
هر ذره که بنگری ز خورشید در و
در شهد و گلاب و شکر و شربت و مے
فیضے است بقدرِ قابلیت در وے

هر دم سخن از روئے تصور گویم
یک نورِ حقیقت است تابان که مرا
گر قطره و گاه بحر و گه بر گویم
گه مهر و گه آفتاب و گه خور گویم

اے همنفسان ز رو سموات کشید
از شوق تجلیات خورشید ازل
ره در حرم قبلهٔ حاجات کشید
بر طورِ فلک شبے مناجات کشید

ماییم ز خیلِ پاک بینان مشهور
ملکِ نظر از ماست که داریم بدست
از دیدهٔ تاریک نشینان مستور
از حضرتِ آفتاب پروانهٔ نور

یا رب بصفائے صبح عیسیٰ نفسان
ابرِ کرمت چو فیض بخشد بجهان
یا رب بفروغ شام موسیٰ قبسان
یک قطره ازان فیض بفیضی برسان

سلطانِ رسل سپاه شاه قرشی
ماهِ علمش شهره بخورشید وشی

هرچند نبود سایه او لیکن — چون سایه باو بود بلال حبشی

شاهی که سریر عرش بالینش باشد — اقبال بپایه عرش سایش باشد
چون کعبه سنگ قبله اصحاب صفا — سنگی که برو نشان بالینش باشد

شاهی که درش قبله عالم دانند — گر قدمش سپهر اعظم دانند
هر دل که اثر پذیر نبود از وی — حقا که ز سنگ خاره اش کم دانند

شاهی که برات روز داده شب را — در مهد لبش سنگ گشاده لب را
بر خاره نشان قدمش است که سنگ — از شوق کفش کرد تهی قالب را

سلطان رسل ماه عجم شاه عرب — سنگ در او قبله گه اهل طلب
از بالش قهر او که سنگ سنگ است — گر سنگ شود موم عجب نیست عجب

صد شکر که آمد [illegible] الکرام — نقش قدم مقدس خیر انام
فرخنده شد از مقدم خیرش ایام — تاریخ قدومش اوست خیر الاقدام

ای پرده نه فلک ستر از عظمت — سلطان کائنات جلیل و حشمت
گرما نه سپهر بحث کی کرده است — آخر سر او نشان قدمست

ای عرش مجید در طواف حرمت — دریای محیط تشنه نیم نمت
مشکل که بجستجوی تو بنشینیم — اینگونه که یافتم نشان قدمت

از عشق نبی بجای خرسند — از دوده وصلش بگمان خرسند
از پرده مراد واکنیں ماند — افتاده درین ره بنشانی خرسند

فیضی که ز شوق ناله تا ماه رساند — تا تشنه هر مشعل آه رساند
گر ماند ز پیشگاه بنسبت محرم — آن بس که سر خود بدرگاه رساند

آن کعبه که اهل دل زیارت کردند — صد سجده ز سر سویش اشارت کردند
سجاده ز اطلس فلک گستردند — در چشمه خورشید طهارت کردند

مستان که نوای عشق بر طور زدند — پیمانه کوثر ز لب حور زدند
هم ذره صفت ز تاج کی افشاندند — هم کاسه چین بر سر فغفور زدند

دیں ہا شرزہ ہزار نقشِ عالم بستند در نور بآفتاب توام بستند		آں روز کہ مہدِ ہفت طارم بستند والا گہرے عنصرِ شاہنشاہے
اکسیرِ کمال از نظرے مے سازد در راہِ خدا پائے ز سر مے سازد		خورشید دلے کہ خاک زر مے سازد بر خاکِ جبیں کہ مے نہد سر بسجود
در مدحتِ او خیال در مے ماند بر زانوئے آفتاب سر مے ماند		شاہے کہ شب او سحر مے ماند چوں سجدۂ شکر مے کند در دلِ شب
نشناختہ شاہ را کجا بشناسی اکبر بشناس تا خدا بشناسی		خواہی کہ چو من راہِ ہدیٰ بشناسی ایں سجدہ نا قبول سودت ندہد
تاریکاں را راہ نماید ہمہ شب خورشید بخواب او در آید ہمہ شب		شاہے کہ در فیض کشاید ہمہ شب ہر کس کہ رخش بروز بیند یکبار
در سکۂ عدل کارہا چوں زر شد تاریخ جلوس نصرت اکبر شد		از خطبۂ شاہ زینتِ منبر شد بنشست بتختِ سلطنت اکبر شاہ
در خلعت آفتاب رخشندہ ببیں خورشید در آسمان رخشندہ ببیں		اے دیدہ جمالِ شاہِ خورشید جبیں پوشیدہ لباسِ آسمانی بنگر
در خلعتِ یکتائی آں یکتا ببیں خورشید در سفیدۂ سحر یکجا ببیں		اے دیدہ لباسِ خسروِ والا ببیں در جلوہ بخلعتِ سفیدش بنگر
در آنگاہ ترازو سنگ از لعل بستند در ہر طرف نقش [illegible] بستند		در باغ بروز وزن آئیں بستند شاہیں سے آں ز شاخ گل آوردہ
در دیدہ [illegible] توئی داند ہمہ کس کہ شاہ سنجیدہ توئی		شاہا ز شہنشاہ پسندیدہ توئی ہر سال ترا چہ حاجتِ سنجیدن
شاہا [illegible] مے خوانندش ہمسایہ آفتاب مے خوانندش		شاہے کہ فلک حباب مے خوانندش تا گرد ز فر او کسے نہ خوانندش
بر چرخ ز فر اک مسند اندازد		شاہے کہ چو در جلوہ مسند اندازد

بر کوه بر افراخته قصرے که بخلق
چون نظر از جائے بلند اندازد

اے کعبهٔ جان ز بیت معمور بر آ
تاریک دلم در شب دیجور بر آ
در ظلمت هجر تو بجان آمده ام
خورشید وشی از دریچهٔ نور بر آ

این قصر که یافت بر لب بحر مدار
ابرے ست سپید بر لب دریا بار
[illegible] اگر ز من مے پرسی
درے ست که انداخته دریا بکنار

این قصر که جان از و بآرام رسید
از سعی شهنشاه باتمام رسید
زانسان که بجان در آمد آغاز گرفت
زانگونه که دل خواست باتمام رسید

فرخنده مقامے طرب افراختهٔ
کازاده دلے کند رو آنجا قدمے
وانگه بدل تهی ز هر بیش و کمے
یا باده خندان بسر برد یکدو دمے

امشب که لب از بادهٔ بیت دگر
هر شوخ به ترانه کف زنان مست دگر
[illegible] نوا سازی بهم
این دست زند بوسه بر آن دست دگر

این [illegible] سیراب کنند
این طیبت که پر ز بادهٔ ناب کنند
[illegible] ساقیان تحت [illegible] نور
از چشمهٔ خورشید در آب کنند

این [illegible] که رشک جام جمشید آمد
بر [illegible] سبب حیات جاوید آمد
دریا [illegible] گشتی [illegible] روا
زانسان که نظر کردهٔ خورشید آمد

شاهے که باسپ و فیل میدان سپرد
بر فیل ز اسپ التفاتش دگر است
از [illegible] شطرنج چنان آگه باش
کز اسپ شاه فیل نزدیکتر است

چون شاه [illegible] کرد آهنگ سفر
گردید فضائے بحر پر لشکر
[illegible] لشکرش گنجایش
نے بر بحر رفت و نے ره بر

[illegible] که خورد او ستان
گر شب [illegible] که روز خورد [illegible] ستان
در [illegible] شاه آفاق گذر
کام دل خود ز عید خورد او ستان

ساقی [illegible] طرب دادم ده
شادی ابد بجان تا شادم ده
زان باده که خورشید بود ساغر او
در بزمگه عید امر دادم ده

ساقی دم فیض صبحگاه است بیا
مشتاقان را بوعده مغرب دگر
هنگامهٔ جشن بادشاه است بیا
امروز که عید مهر و ماه است بیا

صبح است فروغ مهر تابان دریاب
خواهی که نشاط دهر یکجا بینی
عشرتکدهٔ شکر کامیابان دریاب
هنگامه عید دی تابان دریاب

امروز که روز جشن شاهنشاه است
رندانه بنوش باده از رز خام
دریاب که لطف دوست دشمن کاه است
امروز که عید روز بهمن ماه است

ساقی بکف من مے آتش لف نه
جامے که بیادگار ماند ار جمشید
مطرب کف دست خویشتن بر دف نه
در عید سفندارمذم بر کف نه

شوقے است ز عید در جهان افتاده
عیدے عجبے که شش اهل نشاط
عید است خجسته در میان افتاده
در اول ماه رمضان افتاده

این تازه رباعی که بدل رو داده
از هر بیتش که شاه بیت عشرت شده
دُرّے است بساحل جهان افتاده
معلوم شود ولادت شاهزاده

از مولد شاهزادهٔ عالمیان
اجمیر بود مولد شهزادهٔ ما
دل بسته بپائے از جهانیان
امید که جاودان بماند بجهان

اے باده بیا نور الهی بنگر
مجموعهٔ خوبی است رخ زیبایش
وین گوهر تاج بادشاهی بنگر
از خوبی ما هر آنچه خواهی بنگر

شاهان شمیم چراغ امیدم بخش
زان نور که چشم دولت روشن شد
قندیل مرا فروغ جاویدم بخش
یکذره مرا ز عشق خورشیدم بخش

اے ساخته آباد دل ویران را
از بسکه شد آهوے ضعیف از تو قوی
وے ریخته خون برهنه شمشیران را
در بیشه لب شاخ میزند شیران را

شاهانه تو کار عدل انجام گرفت
سرگشته نبود در جهان جز آهو
احسان تو آهو همه بے دام گرفت
وانهم ز عدالت تو آرام گرفت

اے آهوئے تو شوق فزائے دل من
طرز نگهت زنگ زدا اے دل من

بر فرق دو شاخ عنبرینش چه خوش است
هر شاخ از آن گره‌گشای دل من

خوبان جهان گل دو رویند همه
خورشید وشان و گرم خویند همه
چشمان سیاه شان اگر درنگری
چون آهوی شاه جنگ جویند همه

شاهنشاها به بخت ارزانی باش
پیوسته به بخت و تخت ارزانی باش
تا انجم افلاک بود نورفشان
خورشیدصفت گشاده پیشانی باش

شاها فرحت به بزم عیش بادا
چشم عدویت به خون منقش بادا
هر شب شه خورشید که نور دل ماست
در دیدهٔ خصم میل آتش بادا

شاهی که گرفته عقل کل پی پی او
بگذشته ز فکر فکر بالای او
بر عالمیان باد مبارک یارب
روز نو و ماه نو و سال نو او

یارب به سپهر کامیابان باشی
فرمان ده آسمان جنابان باشی
تا سایه و آفتاب باشد بهم
در سایهٔ آفتاب تابان باشی

شاها علمت بلند قامت بادا
وز جمله آفات سلامت بادا
بر خیل سپاه سایهٔ دولت او
تا گرمی خورشید قیامت بادا

شاها ز تو عاشقان بجوشند همه
ابدال ترا حلقه بگوشند همه
تو قطب زمان و آهوان برگردت
درویش وشان پوست پوشند همه

شاهی که ز شیران شکند بازو را
می پرورد آهوان عنبربو را
در هر صد روزگار نشنیده کسی
آن شیر که پرورش کند آهو را

ای کرده شکار دل صد فرزانه
کرد آهوی چشم تو مرا دیوانه
در دیده ز بس خیال چشمت جا کرد
شد خانهٔ چشم من چو آهوخانه

ای تازه جوان که کرده صید دل پیر
دانم که به دولت تو جوانی است اسیر
چشم و مژهٔ تو دیده حیران شده‌ام
کز دست که خورد آهوت اینهمه تیر

صبح آمد و دست شوق بر طاس زدند
بانگی بصبوح خضر و الیاس زدند
تا از سفیدهٔ جگر سپید اری
بر ریش جگر سودهٔ الماس زدند

ما نیم تماشاگری عالم صبح
صادق نفسیم و آسمان میداند
لب تشنه نیم قطره شبنم صبح
گر صدق بر آمدیم ما و دم صبح

بنگر سفیده تازه مه گلشن او
بی نی گردی ز لشکر خورشید است
گل چیدمان را شگوفه در دامن او
گردی که شود چشم جهان روشن ازو

هر صبح دل فیض طلب میباید
ای ذره سراپا سر و پا میگردی
در دیده نور ازل شب میباید
در حضرت خورشید ادب میباید

با عقل بصد جام لبالب ندهیم
با ماه فروغ شب مهتاب مگو
یک پرتو دل به صبح کوکب ندهیم
ما یکدم صبح را بصد شب ندهیم

تا چند بدیده طرح خواب اندازیم
این دم که سفیده در آسمان سر بر کرد
در پرده نظر بر آفتاب اندازیم
وقت است که سجاده بر آب اندازیم

صبح آمد از لطافت دل دریا شد
آفاق بساحل امید که باز
رشته سفیده سحر پیدا شد
بر کشتی چرخ بادبان پیدا شد

صبح است نظاره کن به پیراهن چرخ
بنگر به سفیده سحرگاه که باز
گر جوش زند در مخزن چرخ
خورشید به تخت نور در دامن صبح

صبح از غم هجر چشم من خون میریخت
نقاش سحر زرد و سفیدی رنگ آمیزی
گردون شفق از سفیده دم سحر انگیخت
شنگرف و سفیداب بهم آمیخت

صبح است ز فیض گل فشاند گلشن چرخ
تا دیو سیاه شب رود از عالم
بنمود سفیده روز پیراهن چرخ
صابون زده اند گویا دامن چرخ

شیخ فیضی فیاضی راست این قصیده غرا در توحید و ثنا حضرت باری عزاسمه

بسم الله الرحمن الرحیم

یا ازلی المظهر یا ابدی الخفاء
نور کمیت فوق النظر حسنک فوق الثنا

نور تو بینش گداز حسن تو دانش گسل
فکر تو اندیشه گاه کنه تو حیرت فزا

دانش و بینش همه کرده رها در رهت
چشم ارسطو نظر عقل فلاطون ذکا

هست علم ترا هست بفتوای قدس
خون تفکر هدر جان تعقل هبا

ساحت تقدیر ترا مسخره هنگامه کرد
حرف مشوش دماغ کلک مولد نوا

جبروت اندیشه را شحنه هیبت زند
لطمه حیرت بروی سیلی جهل از قفا

راه کمال ترا حرف و نقطه ریگ و دشت
عالم علم ترا شهر سخن روستا

غیر خیال محال نیست که برباهم حمد
سنگ کلیم دهنا ظهر را ارتقا

هست تراوش کمال حمد و الست و بلی
بسکه و کلم بیش کرد کاوش چون و چرا

شاهد عرفان نیست از همه کس بی‌نیاز
گو همه دلها بسوز گو همه جانها برا

پای ثنا سر کنم این ره دانا فریب
زهره نه با تو کنم این همه دانش زدا

او جه تقدیس نیست پاک رشح قلم
در خور اکسیر نیست جوهر قسطیبیا

نکته توحید او آنچه پسند ابدیت
عقل نگیرد فرو گشته نگیرد فرا

حرف ثنا سایه سفسطه بیش نیست
غیر تو اینجا نشد فلسفی سیه نوا

علم تو سجاده شد پرده نشین بطون
نیست مثلث و هست نیست و لا لیس ما

شهر خیال ترا اهل پی کوچه گرد
ابن مطهر بشیب ها هیبت خود هیولا

عقل کل از درک او لاف نفس میزند
سلسله‌ها چون سالکان دارالشفا

کشف فعل ترا نیست بجز زاری
لوح زبان را قلم دست لبان را عصا

دانش و بینش همه یاسه بیک [illegible]
ابجد عشق ترا سلطنت تحسین بیا

آنچه طراز زبان و آنچه نگارد قلم — آن همه حرف و غلط وین همه نقش دغا
عجز بیگاه و تو تا صحیفه سائی غرض — فقر با قبال تو حوصله سوز غنا
در ره ادراک تو مانده معطل زکار — جمله عقول و نفوس جمله حواس و قوا
فرقهٔ اشراقیان در غمت آشفته سر — زمرهٔ مشائیان در رهت افگنده پا
نیست دماغی تهی از سر سودای تو — مغز فلاطون بسوخت از تف مالیخولیا
هیچ قدرت بلند از حکم بوعلی — محمل وصفت برون از نکت بوالعلا
راز تو در نامه نیست حرف تو در خامهٔ — قید دل رست این نجات و ره سر آیت شفا
منزل قدس ترا یک طرف از شاه راه — قافلهٔ کیف و کم محمل این مستوا
منطقی اندر رهت مانده در ایجاب و سلب — بحث قضایا در او ممتنع الاقتضاء
حرف یقین تو نیست حق قیل و قال — بصر محقق کدام فخر مشکک کجا
مبتدی و منتهی گرم هوایت ولی — مبتدیان هرزه گرد منتهیان ژاژخا
عقل درین گفتگو فکر درین جستجو — قد سمع القهقهه قد رجع القهقرا
دشت طلب پر سراب بیگه و پا تشنه‌ئی — غول هوس راهزن افعی غم جانگزا
تیز تگان رهت تا صحبه سوز ادب — شیر شکاران درت سلسله بند وفا
فضل تو از مفلسان داده بچینی سخن — طبع جواهر فشان عقل خزائن گشا
با و عنایت ببید فضل تو در من رشد — عصمت فکرم حمالهٔ نکته زا
در همه دانشم بیش بود از حکمت — خط بصیر بیمان خط خرد کو نیا
انچه بپیچم بشعور فیض تو شد بی علم — نغمه سرای نفس زمزمه سنج نوا
گشته با قبال تو عالم توحید را — همت من آسمان صدق تعطیه اعتوا
ساده چنین ذات نیست جلوه پذیر ظهور — سر لیبر مے برهم در قدم پادشا
صنع تو دیشان گرد خاک من اکسیر عشق — کی بود انکار من در عمل کیمیا
بهت جمال ترا تاب نیارد تفکر — آینهٔ مهتاب را دیده کتانے وطا
آنچه سپاسم گرست تابع انظار مات — چشم خود اسبل دیده جهان را عمی

بر درِ اجلالِ تو نیست بجز حرفِ عجز
از سخنم میکند آنچه بگفتن سزا

سینهٔ علم را شده تنگ نفس
پای دلیل مرا علتِ عرق النسا

گر به تعلیم شود چارهٔ من مشکل است
دل متحقق نفس تن متعفن هوا

بر جگر تشنه روان ملکِ نظر را غبار
بادِ سموم دهم عالمِ جان را وبا

بی جگری همچو من کی رسد آنجا که شد
غیرتِ تو دشنه زن بر جگرِ انبیا

لطفِ تو خواهم شود تقویه بخشِ دماغ
ورنه شود عاقبت فطرتِ من اهبا

در نظر هر که شد از تو حقیقت نگاه
نیست تماثیلِ کون جز صورِ سیمیا

نور پرست ترا برقِ نظر چرخ سوز
خاک نشین ترا کنگرِ دل عرش سا

پیرهنه پا گر رود در رهِ اجلالِ تو
موزهٔ کیمخت نیست جز دهنِ اژدها

خلوتِ ستر ترا پردگیانِ حرم
عفتیانِ ادب عصمتیانِ حیا

در طلبش شیوه بر هنه کردن راه
تهمت کُلِ کلاه چرخ مرقع قبا

فانی مطلق شدن در تو کمالِ بقاست
غیرِ بقا در بقا نیست فنا در فنا

ذوقِ فنا پرده است در نظرِ امتیاز
تیغ تو گردد زره چشمهٔ آبِ بقا

هم ز سوادِ بصر هم ز سویدای دل
رو خطِ بطلان بکش بر رقمِ ماسوا

از خطِ کثرت گذر نقطهٔ وحدت ببین
آن و آری ز خطِ نقطه بود منتها

نیست درون برون پیشِ تو اگر بنگریم
هم تو ظهور و بطون هم تو خلا و ملا

بر درِ ابداعِ تو لرزه زنان کاهران
کارگرانِ قدر کارکنانِ قضا

سطرِ لقا را توئی اول و آخر ولی
اولِ بی ابتدا و آخرِ بی انتها

نفسِ کل از عقلِ کل طبعِ کل از نفسِ کل
از پی ایجاد کرد قدرتِ تو اقتضا

چرخ سما شگرف سر در ابداع گشت
عقل چو شد نظرش رصدِ کبریا

چنگِ افق را بود صنعِ تو مضراب زن
دهر ازین نغمه پر گوشِ شنیدن کجا

خواسته عدلت بعهد نظمِ جهانِ وجود
داده بخورشید و مه ملکِ صباح و مسا

شام و سحر یافته از تو فروغِ دگر
وجهک شمس الضحی نورک بدر الدجی

ثابت و سیاره را هم پیش هم
آمده بر درگهت قدرت حقیران قرول
گر ز عناصر بر هم در زمو اجسام
گنج ترا نشانیم کفی از غبار
صنع تو معمار گوشه بی اختراع
از ازل هست لایزال و ز نظر متصل
زورق قالب را نده بدریای ثروت
کشتی تابنده و از پی هم این کیست
از تو بود حیا انفراد ز تو بود روح بخش
قالب فیض تو همه کامل ز خول
باغ تنها کی ترا طاعت رودی بال عقل
باغچه روح را زین نفس شد رد
هم تو بهر آگهی ظلمت و نور از البشر
حکمت ربانیت خواسته از بهر خلق
از پی تصویر باغ فیض تو آمیخته
هر گلی از گلشنت یافته رنگی دگر
از مدد فیض تو در رحم آب و گل
در تو همه کالقوا مندرج فی الثمر
عالم جزوی و کل واقف علم و عمل
خانه نداری ولی از تو همه خانه پر
پیش بزرگی تو خرد بزرگان همه
ای ز ازل تا ابد عشوه ده جلوه گرت
تا شده هر آینه دست به پیش رو

از شرف بست انکشاف و ز کرمت آشنا
شده قدرت از زمین هست فرول تر
صنع تو کرد و اختراع چیست مقتضا
خوان ترا هست بکر بهشتی شوربا
قصر تن آدمی کرده بنا و پیا
صبح مرا انتظار شام مرا اشتها
کرده نظر دیدبان ساخته دل ناخدا
با همه سنگینی لیکی قصر تو بی پا
شعله عهد شباب جلوه عهد صبا
در رحم امهات داده جنین را غذا
بلبل رنگین سرود طوطی شیرین صدا
از تو سموم و حرور و ز تو ولی روح صبا
هم تو چه آدمی ز شیر و نبات ز گیا
دو بیان شعر صنعت دل تو شناسته
شیره زنگار بر بالا شگفت سا
خنده گل زعفران گریه خونی حنا
دانه شود چون جنین صاحب نشو و نما
در تو همه کالثمر مندرج فی النوا
حاکم رد و قبول صاحب منع و عطا
جای نداری ولی از تو تهی نیست جا
چرخ به راه تو خاک شاه بکویت گدا
با همه شیخ و ولال با همه مجد و بها
کرده طلب تنگی مرده جهان را دوا

گرچہ روان ہست بر سر ہر نیم گام
رفتہ خطر در خطر دیدہ بلا در بلا

حوصلہ کو دیدہ را تا نگرد یک نظر
ساحتِ قدرِ جلال موکبِ عز و علا

عشقِ تو فرزانہ کش نازِ تو بیگانہ خو
رحمِ تو مرہم فگن دردِ تو مرد آزما

سبزۂ صحرائے تو ریزدہ تشنہ گرد
موجۂ دریائے تو لطمہ زنِ آسیا

شاد ہم اگر میزنی تیغ تغافل کہ ہست
کشتۂ عشق ترا عمرِ ابد خونبہا

گرچہ تلخم دہی کے کنم ابرو ترش
اے پے صفرائے من لطف تو سقمونیا

سینہ پراگندہ ام از جمراتِ شعب
چہرہ خراشیدہ ام از عبراتِ بکا

در کفِ اندیشہ ات از دلِ خویشم تنگ
کے شود ہم کے شود این گرہ از سینہ وا

جادۂ در دلم نہ کہ کم از سنگ نیست
اے کہ بسنگ دہی جذبۂ آہن ربا

خواہشِ خود در تو گم کردہ رسد ہم کہ ماست
کامِ دلِ عاشقان ترکِ ہمہ کامہا

من کہ دو امید قریب ہمہ چنبال ست خاکم
بس کہ بہ پیچم ز دور بارگہِ اعتلا

با ہمہ امیدوار جودِ تو امید بخش
با ہمہ حاجت طلب لطفِ تو حاجت روا

نورِ تو در طرفِ قدس سیر ہمی کردہ ما
در ہمہ ہیچ وجود دیدۂ من ناشنا

وعدۂ دیدار خود سے ہمی دے بہ ہند
عاشقِ بے صبر دل بہ لعل اجزا

نورِ تو پیدا ولے کردہ سراسیمہ سر
چشم مرا روز و شب ہم سحر و ہم عشا

دیدہ کشایم ہمے باز تو پردۂ حسن
بستہ تملق بہ رتق ماندہ عطا بر عطا

نورِ تو گردد پیدا از دلِ ما خاکیان
عکس پذیرد اگر آئینہ جلی جہلا

تیرِ قضائے ترا بس ہدف از جانِ ماست
دیدہ ندارد گذار سینہ ندارد ابا

عاشقِ خستہ ترا ہست ستائش سہم
تشنۂ دردِ ترا ہست عنایت غنا

از ہمہ آزادہ ام با تو ام پابستہ بند
از ہمہ بیگانہ ام با تو ام آشنا

در رہِ اجلالِ تو سالکِ دریا نورد
ہیچ بحرین عشق یافتہ خوف و رجا

گرچہ ترا نیست جا در دلِ من جا شکست
عرشک فی الفواد ارضک فوق السماء

چند شوم در شکست از غمِ تو پائے رنج
زہرۂ من آب شد در سرِ این ماجرا

دور فگن اند دلم وز دل من دور نه
صید محبت منم آنکه زدم لب بهم
گرچه رهم در رهست شه نپذیرد ولی
ذره از نور خود تجلی جواهر بخشش
دیده بسر را اگر سرمه ببخشد فروغ
رد و قبول جهان داشتم و عشق تو
گر ز تو آید غمی بر دل غم پرورم
محفل ذوق ترا بهر صبوحی کشان
در شب تاریک غم کرده بدر ماندگی
بزم ترا ساقیم باده و قرابه ی
فیض تو افشان عرض کرده ز لوث زوال
تا بگذشتم غنی در نظر همتم
آنکه تو اندوختی بر سر اقبال او
وانکه تو انداختی از نظر همتش
داشت سلیمان چو نام تو نقش نگین
مانده معلق زبان چیست سپهر کبود
گرچه روان هست در شب تار بی سبیل
پله ی رسیدن نه وجود تو انداخته
این همه تا کی بود بر سر خوان هوس
فیض شناسان همه مانده سوء المزاج
ای که بسر تا ظهور کرده بسا هم دگر
نیست جز افنا [illegible] آنکه [illegible] مشکل
راه نمایان غیب از دو طرف نعره زن

هر چه بتحقیق وصف هر چه به عشق ودا
گر ز خم ذات شوق بار بگردم رها
چشمه سیماب شوق از لعب دل التفا
بو که پذیرد از آن دیده جانم صفا
کوری دل را چه سود کحل عزوف ضیا
از ورق من [illegible] صورت [illegible] درنجا
[illegible] گشته زه مرحبا
نغمه سرایم الشاطر باده [illegible] الانار
خاک نشینان حرم بر کرمت اتکا
روی ترا عاشقیم باد و عالم گوا
چون تو سوهان تجلی کرده رسین جلا
حکم ز باد در باد یا قسیم وطا
چتر سعادت گشاد سایه بال هما
بهم صفت شد بسر تاج سپهر اشتبا
ورنه چه بنده پری آصف دین [illegible]
سختی قدر ترا سجده روشن [illegible]
راه بجای برند زین سر بی صدا
بر سر این هفت خوان غلغله الصلا
معده امیدین بصفیه بکشی استلا
تابع امر تو دروند به حکمت دوا
حکم هو حی یا الله [illegible] راست ندا
[illegible] لوح [illegible] شمس [illegible]
[illegible] الفضال [illegible]

از تو همه کار را یافته صوب صواب — لیک تعلق بما داده خطاب خطا

هر چه بیان رهست منفعل از کار داد — کاو پرست ختن شیر بیشه خطا

غنچه دیر بود در سر بازار کیش — فرش خرابات کرد خرقه صد پاره ما

هر که تو را نیز لاف می‌طلبد هم برو — بخیه دلقش کند خنده دندان نما

حضرت قدس ترا نیست نظر بر لباس — خواه منقش برند خواه مرقع غنا

نیست مرا سر هم از چه درویش درست حق — گوش تن عاشق کند سر سوی آشنا

سر که [illegible] درست بود [illegible] — لیک طریقت درست لیک حقیقت روا

اهل پا آن [illegible] دست [illegible] دگر — عاشق سحر افروز عابد خلوت سرا

نور تو بیرون بود از حق سنگ و گل — کعبه بود بی فروغ مرده بود بی صفا

سجده به هر سو برهم قبله تویی غیر نه — کعبه و بطحا یکی است با حرم انبیا

آینه [illegible] هوس لیک که بود نقش — کرده ز آب و گلم [illegible] اهل انتها

عاجز و درمانده ام بر دل من [illegible] — نفس ستم پیشه ام کرد [illegible] جفا بر جفا

بر دل افسرده ام حقیقت گر [illegible] — مشعل قدوسیان گشته باد فنا

نفس قوی دشمن است ورنه [illegible] — غرق نگردم ز تیغ با ورق کند نا

[illegible] تا شود روز [illegible] — همت ترکانه ام قلب شکاف دعا

کفر طریقت مرا [illegible] — گر بکشم خویش را مردم و مرد غزا

ور به [illegible] بر سر میدان [illegible] — ظلمت من [illegible] علم [illegible] لوا

چند دل من بود شیفته مهوشان — حیف سلیمان من با پریان سبا

واقعه این وان از دل من دور کن — نیست چنین [illegible] جز [illegible] مدعا

سعدی [illegible] — در همه [illegible] عشق گفته مرا احتما

[illegible] مستغفر [illegible] — [illegible] التجا

تا نگر از [illegible] — [illegible] از جهان همچو هلال [illegible]

[illegible] — در دم خواب اجل [illegible]

[illegible]

قابلِ قدر سپلیمنٹری ریڈریں اور تعلیمی کتابیں

شوکتِ انگلشیہ — اس میں ہندوستان کی تاریخ کا مختصر نظارہ سرکار انگریزی کی وسعت عظمت خاندان شاہی کی سوانح عمری لنڈن کے قابل دید مقامات سلطنت انگریزی کے اصول حکمرانی اور ہندوستان میں اس کی برکات و حسنات کے مضمون کو ایسے دلچسپ طریق پر لکھا ہے کہ طالب علم نہایت آسانی کیساتھ ان حالات سے واقفیت اور متاثر ہو جاتا ہے ہر صفحہ پر انگریزی فارسی بلکہ اردو الفاظ کا فرہنگ بھی دیا گیا ہے حجم ۰۰ صفحے ۔۔

یہ کتاب پرائمری کی پانچویں جماعت اور فرسٹ مڈل کے لئے باقاعدہ طور پر سپلیمنٹری ریڈر منظور ہو چکی ہے۔ چونکہ اس کے پڑھنے سے سرکار انگریزی کی نسبت رعایا کے وفاداری کے جذبات میں اضافہ ہونا بدیہی طور پر ثابت ہو رہا ہے۔ اسلئے قریباً تمام پنجاب میں اسکی باقاعدہ تعلیم جاری ہے قیمت آٹھ آنے علاوہ محصول

منتخب اردو گلستان — اخلاق کی سب سے بہترین کتاب جس میں گلستانِ فارسی کی چیدہ چیدہ حکایات و اشعار کو اردو نظم و نثر میں لکھا گیا ہے۔ اور جا بجا مناسب تصاویر سے ایسا دلچسپ بنایا ہے کہ طلبا خود یاد کیا کریں۔ یہ حصہ ا پرائمری کی جماعت چہارم میں اخلاقی سپلیمنٹری ریڈر قرار پا چکی ہے اور دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ کوئی بھی ہندوستان میں اس کے مقابل کسی اور اردو کتاب کو بطور ایک زائد ریڈر کے پڑھانا منظور نہیں کر سکتا حجم ۰۰ صفحے قیمت ۔۔ ۸/

تاریخ پنجاب — زمانہ قبل تاریخ سے آج تک کی مختصر تاریخ جس کے پڑھنے سے طلبا کو تاریخی بصیرت سے دلچسپی ہو جانیکے علاوہ تاریخ ہند کے سمجھنے اور یاد کرنے میں بھی نہایت آسانی ہو جائیگی۔ ملک کے اکثر اہل الرائے صاحبان نے واسطے تعلیم کیلئے پسند فرما کر قابل تحریر ریویو لکھے ہیں اور محکمے نے مدارس مڈل کیلئے ہسٹاریکل سپلیمنٹری ریڈر یعنی زائد تاریخی کتاب قرار دیا ہے۔ زبان کی صفائی کیساتھ کئی نقشے اور تصویریں بھی دی گئی ہیں حجم صفحے قیمت بے جلد ۔۔۔ ۸/

دبستانِ اخلاق — مجموعہ اخلاقی حکایتوں اور روزمرہ گذرنے والے حالات و واقعات کی دلچسپ اور نصیحت آموز کہانیوں کا بے نظیر مجموعہ جس کو تمام مشاہیر ملک نے عام مروجہ کتابوں سے بہتر تسلیم فرمایا ہے حصہ اول دوسری جماعت کیلئے ۲/ اور حصہ دوم تیسری جماعت کیلئے ۳/ حصہ سوم چوتھی جماعت کیلئے ۸/

ان سب کتابوں پر مدرسین کو بشرطیکہ فی درجن پانچ روپیہ کی ہوں ۔۔ ۲ آنے فی روپیہ کمیشن دیا جاتا ہے - تا کہ محصول کے بعد بھی ہر جگہ اصلی قیمت پر کتابیں مل سکیں

اسکے سوا تمام تعلیمی اور مذہبی تعلیمی کتابیں اور تختیاں تختہ جات وغیرہ بازاری قیمت پر مہیا کئے جاتے ہیں جملہ درخواستیں مولوی فیروز الدین اینڈ سنز پبلشرز لاہور کے نام آنی چاہئیں۔

ف
١٣٨٥١٨٩١٥   ف - د

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

[illegible]

کاظم الغیظ باسط الرأفه حافظ الستر کاشف الاسرار
حامی عدل و حارس نصفت ماحی ظلم و دافع اضرار
اولین بود صد هزار وجود آخرین فیض بخش هشت و چهار
مالک عصر نصر و فیروزی قائد جیش فهم و استبصار
منزل قدس و مهبط تقدیس مرجع خیر و ملجار اخیار
آفتاب مضیء و ماه منیر کارفرمای ثابت و سیار
درگهش آسمان هشتم را از بلندی بود محیط و مدار
جاعل نور و ظلمت است بلی لیل ازو لیل شد نهار نهار
روشنی در زمان او باقی تیرگی روسیاه و بی‌مقدار
روز او چون رسد عزیز شود گرچه امروز گشته دانش خوار
معرفت در رکاب او منصور جهل و بوجهل تار گشته و مار.
کرسی عدل محترم چون عرش حضرتش روی آن گرفته قرار
پادشاهی کند امام بحق قدسیانش همه سپر و سردار
مشید شود مبانی ملک دست دولت رسد باستقرار
تمام سیاستش شنوند ذکر سبحان واحد القهار

نیز نیکنام